فکرِ امروز

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

4666

Marfat.com

فکرِ امروز

ذخیرہ
میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی • لاہور پاکستان

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

اتحاد فاؤنڈیشن ○ ۴۹- کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون : 5410957-449435

Marfat.com

88042

~~76592~~

نام ——— فکر امروز

مصنف ——— صاجزادہ خورشید احمد گیلانی

صفحات ——— ۲۱۰

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

ایڈیشن ——— اول ۱۹۹۵ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

رابطہ :- اتحاد فاؤنڈیشن ۴۹ - کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون - 5410975-449435
۸۸ - ڈی بلاک نمبر ۷ گلشن اقبال کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفے چند

فکر و عمل کے زاویے اور تقاضے ہر دور میں تغیر پذیر اور انقلاب آشنا رہے ہیں ، تاہم دور جدید نے تغیر و انقلاب کی اس کیفیت میں بہت زیادہ تیزی پیدا کر دی ہے اور لمحہ بہ لمحہ صورت حال اپنے اندر بہت سا سامان غور و فکر رکھتی ہے۔

ایک دور تھا جب امت صدیوں آگے دیکھنے کی عادی تھی ، موجودہ دور میں یہی غنیمت ہے کہ وہ کم از کم آج کی فکر کرے ، فکر امروز اسے فکر فردا کی طرف راغب اور مائل بھی کر دے گی ، فکر امروز کیا ہے؟ یہ وقت کی پیشانی پر بڑے جلی حروف کے ساتھ کندہ ہے ، صرف اسے کوئی پڑھنے کی زحمت کرے ، اس وقت امت بہت سے خطرات میں گھری ہوئی ہے یہ خطرے داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی! داخلی خطروں کا مقابلہ باہمی اتحاد سے ہو سکتا ہے اور خارجی خطرے قوت ایقان سے روکے جا سکتے ہیں۔

باہمی اتحاد کے لئے اجتماعی شعور ، شخصی ایثار ، مفادات عاجلہ سے دستکشی اور وسعت فکر و نظر درکار ہے اور قوت ایقان پیدا کرنے کے لئے اپنے نظریے سے کامل وابستگی ، بین الاقوامی مسائل کا حقیقی ادراک ، اعتماد ذات اور احساس کمتری سے نجات ایسے اوصاف مطلوب ہیں۔

اس وقت بلاشبہ بڑے بڑے مسائل ہمیں اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں ، لیکن اپنے لئے سب سے بڑا مسئلہ خود ہم ہیں ، ہم لوگ غلامی سے نکلے ہیں مگر بے یقینی کی گرداب میں الجھ گئے ہیں ، ہم نے حسین اور شاندار مستقبل کے لئے غیروں سے بھیک مانگنا چاہی ہاتھ پھیلایا تو وہ کچھ بھی چلا گیا جو ماضی نے ہمیں عطا کیا تھا ، اپنا چہرہ روشن رکھنے کے لئے ہم نے ادھر ادھر سے رنگ مستعار لئے دیکھا تو صبغۃ اللہی رنگ بھی اتر چکا تھا۔

Marfat.com

فکر امروز یہ ہے کہ ہمارے اندر یکجہتی ہو ، لیکن یکجہتی سے پہلے "جہت کا تعین" ضروری ہے ، ہماری سیاست ، ہماری معاشرت اور ہماری معیشت اس بے جہتی کا منہ بولتا ثبوت ہے ، مذہب جو معاشرے کے لئے مقناطیس کا کام دیتا ہے بدقسمتی سے فرقوں میں بٹ کر اپنی کشش برابر کھو رہا ہے ، ہمارا طرز عمل لوگوں کو مذہب سے جوڑنے کے بجائے اس سے رشتہ توڑنے اور منہ موڑنے کا سبب بن رہا ہے ، ادھر یہ کچھ ہو رہا ہے تو ادھر عالمی طاقت پوری دنیا کو نکیل ڈالنے کی فکر میں ہے ، کئی ایک کو سدھایا جا رہا ہے ، کئی ایک کی ناک میں چھید کیا جا چکا ہے اور کئی ایک کے چھید میں نکیل ڈل چکی ہے ، کوئی تو ہو جو اس کا ہاتھ روکے یہ قوت آج بھی امت مسلمہ کے پاس ہے لیکن کوئی اسے بروئے کار تو لائے ، جب ہماری سیاست استعماری دور کا ورثہ ، معاشرت تہذیب مغرب کا چربہ اور معیشت استحصال کا حربہ ہو تو یہ قوت کیوں کر بروئے کار آئے؟

آج ضرورت مذہب کو انقلابی قوت ثابت کرنے ، سیاست کو عبادت کا درجہ دینے ، معاشرت کو پاکیزہ روایت بنانے اور معیشت کو احسان اور مروت کے قالب میں ڈھالنے کی ہے اور یہی فکر امروز ہے۔

یہ چند مضامین اسی فکر کے آئینہ دار ہیں ، مضمون تو ہمیشہ ایک ہی اور پرانا رہا ہے اسے عنوان نئے ملتے رہے ہیں ، میں نے بھی نیا عنوان دینے کی اپنی سی کوشش کی ہے اس مجموعہ مضامین میں کچھ ماضی کی خوبصورت باتیں ہیں ، کچھ حال کی "کراماتیں" ہیں اور کچھ مستقبل کی گھاتیں ہیں ، خوبصورت باتیں اچھے لوگوں کی "کراماتیں" آج کے "گرگوں" کی اور گھاتیں عالمی استعمار کے ڈاکوؤں کی ، ماضی و حال کا سنگھم چونکہ لمحہ موجود ہوتا ہے اس لئے میں نے اسے "فکر امروز" کا نام دیا ہے۔

خورشید گیلانی
۲۰ جولائی ۱۹۹۵ء

Marfat.com

ذخیرہ

پیش کش

بنیاد پرستی ---اعزاز یا الزام؟	۷
چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا	۳۱
عالمی قیادت کا امریکی خواب	۴۳
اسلامک ورلڈ آرڈر---بنیادی خدوخال	۵۵
اسلام میں جمہوریت کی پیوند کاری	۶۳
ارباب اقتدار کی نفسیات---ایک تجزیہ	۷۵
بندگان زر و جاگیر---تحلیل و تجزیہ	۸۹
سیاسی انقلاب---وقت کی اہم ضرورت	۹۹
"پریگماٹزم" اور "اپرچونزم" میں فرق کیجئے	۱۱۱
خبر لیجئے! قوت برداشت ختم ہو رہی ہے	۱۲۳
شریف لوگ سیاست میں کیوں نہیں آتے؟	۱۳۳
اسلام کیسے نافذ ہو اور کون نافذ کرے؟	۱۴۱
قرآن کی برتری اور حاملین قرآن کی ابتری	۱۴۹
روح عصر اور ضرورت اجتہاد	۱۵۵
ہمارا معاشرہ "رستا ناسور" کیوں بنتا جا رہا ہے؟	۱۶۵
سربرہنہ امت	۱۹۵
کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے؟	۲۰۱
ہمارا دوہرا معیار	۲۰۷

Marfat.com

Marfat.com

بنیاد پرستی ۔۔۔ اعزاز یا الزام؟

☼

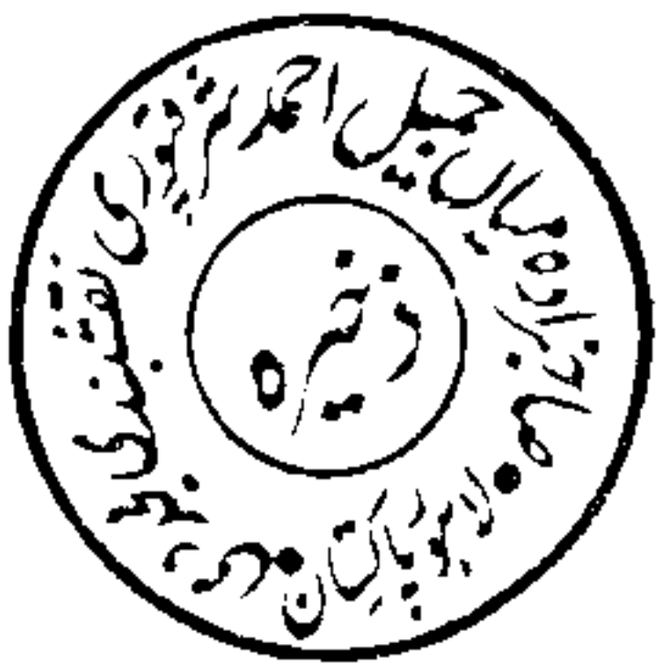

مور اپنی تمامتر خوبصورتی اور رعنائی کے باوجود اپنے پاؤں دیکھ کر شرما سا جاتا ہے اس کا یہ رویہ اس کے اعتماد کو ہر روز مجروح کرتا ہے اسی طرح مسلمان شاندار ماضی ، پرشکوہ تہذیب ، قابل فخر روحانی ورثہ ، رشک آمیز علمی پس منظر ، اور گرانقدر دماغی اور فنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایک ذرا سا رنگ کا میلا ہونا یا انگریزی میں کمزور ہونا ہمیں مور کی طرح اپنے پاؤں دیکھنے پر اکسا دیتا ہے اور ہم شرمانے لگ جاتے ہیں ، اگر آنکھوں میں بقول حکیم الامت علامہ اقبال" خاک مدینہ و نجف کا سرمہ ہو تو جلوۂ دانش فرنگ سے خیرہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

ذخیرہ

گذشتہ کچھ عرصے سے امریکی اور یورپی ذرائع ابلاغ ان گروہوں یا افراد کو (جو اسلام کو ایک مکمل ، جامع اور انقلابی "نظام حیات" کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں) ایک خاص اصطلاح سے یاد کر رہے ہیں اور وہ ہے "فنڈا منٹلسٹ" کی اصطلاح ، جسے ہمارے اخبارات و جرائد "بنیاد پرست" لکھ رہے ہیں ، جسے یورپ تو کم از کم ہمارے حق میں ایک گالی سمجھتا ہے لیکن ہمارے اخبارات و جرائد اور بعض نام نہاد روشن خیال ، دانشور اور رہنما اسے اپنے اوپر ایک الزام ضرور قرار دیتے ہیں اور اس کی تردید میں قولاً اورعملاً یہ باور کراتے ہیں کہ ہم "بنیاد پرست" نہیں بلکہ سیدھے سادے مسلمان ہیں ، حتی کہ وزیراعظم تک اس سے برات کا اظہار و اعلان کرتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کو "بنیاد پرست" کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ ذہنی طور پر ازمنہ وسطی کے رہنے والے ، تاریک خیال ، سائنس دشمن ، حریفان علم و دانش ، ترقی کے مخالف ، رجعت پسند ، روائت پرست ، اور قدامت نواز ہیں ، جنہیں دور حاضر کے نت نئے بدلتے حالات کا ادراک ، اور تہہ در تہہ معاملات کا شعور حاصل نہیں۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے جب ایران میں انقلابی تحریک زوروں پر تھی ، اور لیبیا سر اٹھا رہا تھا اور ادھر فلسطین کی تحریک مزاحمت نئی کروٹ لے رہی تھی ، تو اس وقت امریکی اور یورپی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے لئے Militant (جنگجو) کی اصطلاح استعمال کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قوم ملوکیت اور شاہی استبداد کے خلاف اٹھ کھڑی ہو ، کوئی کمزور ملک اگر امریکہ کے مقابلے میں سر اٹھاتا دکھائی دے اور لوگ اپنی سرزمین پر ناجائز قبضے کے خلاف مزاحمت کریں تو وہ فوراً جنگجو بن جاتے ہیں ، اگر اصطلاحات کے استعمال یہ عالم رہا تو نجانے جمہوریت ، حق خودارادیت اور آزادی و استقلال کے کیا معنی رہ جائیں گے؟ یعنی دنیا اگر اپنے اوپر ملوکیت کو مسلط کئے رکھے یا کم از کم برداشت کئے رکھے ،

Marfat.com

اپنے حق خودارادی سے دستبردار ہو جائے ، غیروں کی دست نگر بنی رہے ، ایک یا دو بڑی طاقتوں کی حاشیہ بردار رہے ، اپنی آزادی اور استقلال سے ناآشنا رہے اور ہمیشہ سیاسی اور اقتصادی غلامی کا جوا اپنے گلے میں ڈالے رکھے تو وہ روشن خیال ، ترقی پسند اور ماڈرن کہلانے کی مستحق ہے اگر وہ اپنے حقوق سے دستبرداری اور اپنی آزادی و خودمختاری سے دستکشی پر آمادہ نہ ہو ، تو وہ فوراً جنگجو اور "بنیاد پرست" بن جاتی ہے گویا دوسرے لفظوں میں امریکی بالادستی کو قبول کئے رکھنا اور افرنگی تہذیب و معاشرت کا اسیر بنے رہنا "روشن خیالی" اور اس کے مقابلہ میں خدا و رسول ؐ کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنا شعائر اسلامی کا اختیار کرنا اور اسلام کو رہنمائی کا سرچشمہ قرار دینا "بنیاد پرستی" ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے (نام نہاد) لیڈر تہذیبی اور ذہنی طور پر مغرب اور امریکہ سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہماری زندگی کا بیشتر حصہ صرف اس تگ و دو میں صرف ہو جاتا ہے کہ ہم علمی و فکری اور عملی و اخلاقی طور پر اس طرح نظر آئیں جیسا کہ مغرب اور امریکہ چاہتا ہے اور ایسا نظر آنے کے لئے اپنی شکل و صورت ، نشست و برخاست ، اطوار و عادات ، اور کردار و اخلاق سے لے کر اسلام تک کا حلیہ بگاڑنے پر آمادہ و مستعد رہتے ہیں ، جسے وہ اسلام کہیں ہم ویسا اسلام پیش کرنے میں لگ جاتے ہیں ، جیسے وہ آداب زندگی بتائیں ہم فوراً انہیں اختیار کر لیتے ہیں ، جس طرح کی تہذیب کو وہ پسند کریں ہم اس طرح کے مہذب بننے میں اپنی توانائیاں صرف کر دیتے ہیں ، جو مسلمانی ان کو درکار ہے ہم ویسے مسلمان بن جاتے ہیں حالانکہ اسلام اور مسلمانی میں امریکہ اور مغرب کی رضا نہیں بلکہ خدا و رسول کی رضا مطلوب ہوتی ہے تب جا کر کوئی شخص مسلمان بنتا ہے ، تہذیب وہ نہیں جو امریکہ اور یورپ سکھاتے ہیں بلکہ ہمارا معیار تہذیب اسوۂ رسول ؐ ہونا چاہئے ، کیوں کہ انہی کے دین اور انہی کے نام کی نسبت سے ہمارا ملی تشخص قائم ہے ورنہ رنگ ، نسل ، علاقہ اور زبان کسی کو مسلمان یا کافر نہیں بناتے ، اس اعتبار سے انسانیت میں کوئی

Marfat.com

جوہری فرق واقع نہیں ہوتا کیوں کہ سبھی اولاد آدم ہیں۔

۷۰ء کے عشرے میں پاکستان کے اندر "دایاں بازو" اور "بایاں بازو" کی اصطلاح کا خوب چرچا رہا، مغرب کی نظر میں "دایاں بازو" کا معنی تاریک خیال اور تنگ ذہن اور "بایاں بازو" کا مطلب روشن خیال اور ترقی پسند تھا، ہمارے لیڈر بڑے مخمصے اور عجلت میں نظر آتے تھے کہ وہ خود کو ہر جگہ "بایاں بازو" ثابت کریں، حالانکہ قرآن مجید میں واضح طور پر "اصحاب الیمین" اہل جنت اور "اصحاب الشمال" "اہل جہنم" قرار دیئے گئے ہیں، قرآن مجید کی روشنی میں "دایاں بازو" اور بایاں بازو" کا مفہوم بالکل صاف تھا، اور ہمیں بڑے فخر کے ساتھ خود کو "دایاں بازو" کہلانا چاہئے تھا لیکن برا ہو مرعوب ذہنیت اور غلام سوچ کا، جس نے ہماری آنکھیں چندھیا رکھی ہیں ہم نے فوراً یورپ کے بیان کردہ مفہوم کو قرآن مجید کے واضح کردہ مفہوم پر ترجیح دے دی اور "دایاں بازو" کہلانے میں شرماتے اور جھجکتے رہے۔

ہماری لیڈر شپ کو فکر لاحق ہو گئی کہ قرآن مجید کس گروہ کو "اصحاب الشمال" (بایاں بازو) قرار دیتا ہے اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے بلکہ مغرب کے نزدیک "بایاں بازو" کا جو مفہوم ہے اس کے مطابق روشن خیال اور لبرل بننا ہے اگر ہم نے دیر کر دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اہل مغرب کی لغت میں، تاریک خیال اور قدامت پسند ٹھہرا دیئے جائیں، یہی وہ احساس کمتری ہے جو ہمیں خدا و رسول سے بھی دور لے گیا ہے اور وصال صنم سے بھی ابھی تک محروم چلے آ رہے ہیں، مسلمان بننے کی ہم نے خاص جدوجہد نہیں کی، لیکن یورپ نے بھی ابھی تک ہمیں صحیح معنوں میں ماڈرن، لبرل پروگریسو اور لیفٹسٹ کا سرٹیفکیٹ عطا نہیں کیا اور اس طرح ہم درمیان میں معلق ہو کر رہ گئے ہیں، اگر ہم اتنی کاوش مسلمان بننے کی کرتے تو خدا و رسول اس عرصے میں ہمیں یقیناً "مومن خالص" کا لقب عطا کر چکے ہوتے۔

یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض دانشور کہتے نظر آتے ہیں کہ آخر ان اصطلاحات میں کیا رکھا ہے؟ اگر ہم خود کو دایاں بازو، یا بنیاد پرست نہ کہلائیں اور یورپ کی

Marfat.com

مرضی کے مطابق ان "تہمتوں" سے برات کا اظہار کر دیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ، ہمارے خیال میں یہ نرم سے نرم الفاظ میں خود فریبی یا کم از کم سادہ لوحی ہے ، ہم محض لفظوں کی الٹ پھیر کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے نفسیاتی پس منظر سے صرف نظر کر رہے ہیں ، بات صرف الفاظ اور اصطلاحات کی نہیں ، ہر لفظ کا ایک مخصوص مفہوم اور ہر اصطلاح کا ایک نفسیاتی پس منظر ہوتا ہے ، الفاظ اور اصطلاحات باقاعدہ علامات کا درجہ رکھتے ہیں ، اور یہی علامات کسی سوسائٹی یا فرد کے بارے میں رائے قائم کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں ، لفظوں کا فقط لغوی معنی اور اصطلاحات کا فقط سطحی مفہوم نہیں ہوتا ، اگر ایسا ہو تو پھر سارے تشخصات ختم ہو کر رہ جائیں ، نہ دعا کا مفہوم باقی رہے اور نہ گالی کا کوئی مطلب!کیوں کہ دونوں چیزیں حروف تہجی سے مرکب ہوتی ہیں تو کوئی دعا دے دے یا گالی ، اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟ اصطلاحات کی اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یورپ کیوں ہر چوتھے روز مسلمانوں کے لئے ایک نئی اصطلاح اختراع کرتا!

مسجد کا ایک اپنا ڈیزائن ہوتا ہے اور گرجا اور مندر کا اپنا نقشہ ، حالانکہ سبھی اینٹ پتھر سے بنے ہوتے ہیں ، لیکن ہر شخص مخصوص ڈیزائن سے پہچان لے گا کہ ان میں مسجد کون سی ہے اور گرجا اور مندر کون سا؟ کون سی جگہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اور کون سی عیسائیوں اور ہندوؤں کی ، اگر ہم ان علامات اور تشخصات ، اسماء اور اصطلاحات کے بارے میں یہ رویہ اپنا لیں کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے "تو میرے خیال میں ہر بات پہیلی بن جائے گی ، پھر نہ کوئی مسلمان رہے گا اور نہ کوئی کافر۔

سوشلزم ، یا کمیونزم اور اسی طرح ڈیماکریسی یہ بظاہر اصطلاحات ہیں ان کے لغوی معنی لئے جائیں تو ان اصطلاحات میں کیا خوبی ہے؟ لیکن یہ محض الفاظ نہیں اور فقط اصطلاحات نہیں بلکہ ان کی پشت پر باقاعدہ ایک فلسفہ اور ایک نظام کارفرما ہے جو انہیں ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد کر رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض نام بعض قوموں کے ساتھ مختص ہو کر رہ

Marfat.com

گئے ہیں، اور بعض علامات بعض تہذیبوں کی شناخت بن کر رہ گئی ہیں ' مثلاً ہندی میں "کرپا رام" جو ایک نام ہے اس کا ٹھیک مترادف عربی میں "عطاء اللہ" ہے لیکن کوئی مسلمان اپنا نام "کرپا رام" نہیں رکھتا آخر کیوں؟ جب کہ معنی اور مفہوم میں بال برابر فرق نہیں ' صرف دو زبانوں کے اپنے لب و لہجے اور ساخت کا فرق ہے ' یہ اس لئے ممکن نہیں کہ انسانی دنیا میں جب لفظ اصطلاح ' القاب ' خطابات وغیرہ وارد ہوتے ہیں تو وہ فقط بے جان الفاظ و حروف نہیں رہ جاتے بلکہ ان کے ساتھ کچھ جذبات اور دوسرے تشخصات وابستہ ہو جاتے ہیں اگر ان میں سادہ لوحی سے ذرا بھی ادل بدل کیا جائے تو سارے کے سارے جذبات اور تشخصات مجروح اور مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں ' اور کسی بھی سوسائٹی کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اگر ہر اصطلاح کو بہت ہلکا پھلکا اور لفظی گورکھ دھندا سمجھنے کا رجحان پیدا ہو جائے تو پورا انسانی نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے ' سو ہمیں ہر اس اصطلاح کو اپنے سینے سے لگانا چاہئے جو خواہ مغرب کی نظر میں کتنی معیوب اور معتوب کیوں نہ ہو لیکن فی الواقع وہ محمود اور مستحسن ہو جیسا کہ "بنیاد پرست" یہ اصطلاح کیوں محمود اور مستحسن ہے؟ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یورپ نے اسے ہمارے ساتھ چپکا دیا ہے ظاہر ہے اس میں کوئی خوبی ہے جسے وہ بگاڑ کر ہمارے نام کا لاحقہ اور سابقہ بنا رہا ہے ' اور اس کے نزدیک وہ مسلمان "بنیاد پرست" ہیں جن کی فکر کا قبلہ احکام الٰہی اور سوچ کا کعبہ سنت رسول ؐ ہے جو شعائر اسلامی کے پابند اور کبائر سے مجتنب ہیں ' جو سرمایہ داری اور اشتراکیت پر تین حرف بھیجتے اور اسلام کو اپنا مکمل نظام حیات سمجھتے ہیں۔

یورپ ان (نام نہاد) مسلمانوں کو قطعاً "بنیاد پرست" نہیں کہتا اور سمجھتا جو ہر آئے روز اسلام میں کسی نہ کسی نظام کی پیوند کاری کرتے رہتے ہیں ' جن کی بود و باش میں اسلام کی جھلک تک دکھائی نہیں دیتی ' جن کے ذہن اور فکر پر ہر چیز کا غلبہ ہے بجز اسلام کے۔

اور دوسری وجہ اس اصطلاح کو ڈنکے کی چوٹ اختیار کرنے کی یہ ہے کہ دنیا کا کوئی دین اور نظام بنیاد کے بغیر فروع پر قائم نہیں '

Marfat.com

اساسیات ہی دین اور نظام کی اصل ہوتی ہیں فروعات تو اس کے برگ و ثمر ہوتے ہیں ' سو اس اعتبار سے ہم "بنیاد پرست" ہیں کہ ہم اسلام کے اساسی عقائد کو مان کر مسلمان بنے ہیں ' توحید ' رسالت ' وحی ' آخرت وغیرہ ہماری بنیادیں ہیں جن پر ہم اپنا نظام حیات استوار کرنا چاہتے ہیں ' اور اس پر ہمیں فخر ہے کہ ہمارا نظریہ حیات اس کائنات کے خالق و مالک اور اس کے محترم رسول کا عطا کردہ ہے اور اس کے اساسی اصول ایک ایسی کتاب میں درج ہیں جس کی صحت اور تاریخی حیثیت کو چودہ سو سال میں دنیا کا کوئی مفکر چیلنج نہیں کر سکا ' اور ہمارے لئے نظام کا ماڈل وہ عہد حکومت ہے جسے اس زمین کے انتہائی برگزیدہ اور راستباز انسانوں نے قائم کیا ' ان معنوں میں ہم بنیاد پرست ہیں اور یہ کوئی معیوب لقب نہیں جو ہم اپنے لئے پسند نہ کریں۔

جو لوگ روشن خیالی اور وسعت نظری کی آڑ میں "بنیاد پرست" کہلانے سے عاری ہیں غالباً ان کے خیال میں اپنا راستہ کھلا رکھنا ہے ' کہ وہ جب چاہیں اسلام کے بجائے کسی اور نظام کو اپنا نظریہ حیات بنا لیں ' سنت رسول کے مقابلہ میں اپنی شریعت وضع کر لیں اور اطاعت خدا و رسول کی جگہ اپنے نفس اور خواہشات نفس کی پیروی کر لیں اور پھر بھی مسلمان کہلائیں۔

دین کو کھلی چراگاہ قرار دینے کا آج نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ جو چاہتا ہے اس میں منہ مارتا ہے اور اپنے اقتدار ' مفادات ' خواہشات اور اشغال کو دین کا نام دے دیتا ہے ' ترک نماز ' شراب نوشی ' زراندوزی ' تضحیک شعائر اور عیش کوشی سب کے ہوتے ہوئے وہ خود کو مسلمان کہلانے پر اصرار کرتا ہے اور اپنا حق گردانتا ہے کہ کوئی فقیہ اور ملا مجھے اسلام اور مسلم سوسائٹی سے خارج نہیں کر سکتا ' اور دین کے معاملہ میں ہماری مداہنت کا رویہ اب ہمیں واقعی اس نقطے پر لے گیا ہے کہ کھلے عام اسلامی نظام حیات کو چیلنج کرنے والا اور اسلامی شعائر اور روایات کا مذاق اڑانے والا ' سود کے نظام کی مدافعت کرنے والا ' رقص و سرود کو عین اسلامی قرار دینے والا ' اور سلب و نہب کو جائز سمجھنے والا بھی ہماری نظر میں مسلمان بلکہ "مسلمان رہنما" رہتا ہے۔

Marfat.com

اگر ہم "بنیاد پرست" ہوتے تو کوئی شخص لاکھ چلمن کی اوٹ لیتا لیکن ہم اس کا چہرہ فوراً پہچان جاتے کہ یہ ہم میں سے ہے ' ہمارا خیرخواہ ہے یا استعمار کا ایجنٹ اور خدا و رسول کا باغی ہے!

ہم خود کو کسی کی طرح پتلا کرتے کرتے اپنا ذائقہ اور رنگ تک گنوا بیٹھے ہیں اور کوئی ایک علامت ایسی نہیں رہنے دی جس سے "اسلامی قیادت" کے خدوخال واضح ہوتے اور ہمارا ذہنی و اعتقادی استحصال نہ ہو سکتا ' ہمارے رہنما کھلم کھلا اسلام کے مزاج کے خلاف قومیت اور نسلیت پرست بھی ہیں اور مسلمان بھی ' استعمار کے مفادات کے محافظ بھی ہیں اور مسلمان بھی ' اسلام دشمن طاقتوں کے حلیف بلکہ آلہ کار بھی ہیں اور مسلمان بھی ' یہ سب اسی "روشن خیالی" کا کیا دھرا ہے جو یورپ نے ہمیں عطا کی ہے کہ لفظ تو لفظ انسان اپنا اعتبار کھو بیٹھے ہیں ' ہم اپنے اور پرائے ' کھرے اور کھوٹے ' سچے اور جھوٹے ' دوست اور دشمن ' محافظ اور معاند ' اور خیرخواہ اور بدخواہ کے درمیان تمیز کرنے سے عاری ہو گئے ہیں ' اور ہر شخص "روشن خیالی" کے زور پر وہ سب کچھ بننے اور کہلوانے کا حق محفوظ کئے بیٹھا ہے جو اصل میں کچھ بھی نہیں صرف بندۂ ہوا و ہوس ہے ' تن پرور اور نفس پرست ہے ' اصول دشمن اور انسانیت کش ہے۔

"بنیاد پرست" کہلانے میں آخر کیا حرج ہے؟ اگر اس سے مراد اور مطلوب ایک راسخ الاعتقاد اور اصول سے لے کر فروع تک اسلام کا پابند مسلمان ہونا ہے ' اس اصطلاح سے بدکنا یہ باور کرانا ہے کہ گویا ہم اسلام کے حصار میں اس طرح رہیں کہ اس میں ہر طرف چور دروازے ہوں جب اور جہاں سے چاہیں ' جھانک بھی لیں اور چھلانگ بھی لگا لیں اور پھر واپس آ کر ویسے کے ویسے مسلمان بن جائیں ' قرآن مجید نے یقیناً ایسی ہی نفسیات رکھنے والے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یئومنون ببعض و یکفرون ببعض"

(دل پسند چیزوں کا اقرار اور مزاج کے خلاف چیزوں کا انکار)

ایسا رویہ یورپ کی نظر میں معیوب نہ ہو تو الگ بات ہے اسلام اسے انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے ' وہ کہتا ہے کہ جب میرا اقرار و

Marfat.com

انکار جبر و اکراہ سے نہیں ، بلکہ طیب خاطر سے ہے تو پھرکوئی اصول قبول کر لینے کے بعد اس سے ہچر مچر اور انحراف اور گریز چہ معنی دارد؟اگر ماننا ہے تو کھلے دل سے مانو اور حدود کا احترام کرو ، اگر نہیں ماننا تو راستہ کھلا ہے دنیا میں کوئی نہیں پوچھے گا البتہ آخرت میں جوابدہی کا خود اہتمام کر لو اور اپنا جواز ڈھونڈھ لو ، لیکن ہماری نفسیات اس طرح بن چکی ہے کہ ہم مستقل طور پر "نیمے دروں ، نیمے بیروں" رہنا چاہتے ہیں ، اگر اسلام کا نام لے کر فائدہ پہنچتا ہے تو ہم مسلمان ہیں اور اگر ہمارے مفاد ، مزاج اور اقتدار پرکوئی زد پڑتی ہے تو پھر گریز اور انحراف کی ہزار راہیں کھلی رکھنا چاہتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا روم" نے مثنوی میں ایک تمثیل کے ذریعے ایسی نفسیات کو واضح کیا ہے جو امید ہے زیر نظر مضمون کے سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے ، مولانا روم لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی کلائی پر شیر گدوانے کے لئے گیا جب جراح نے پہلی سوئی چبھوئی تو اسے تکلیف ہوئی اور کہنے لگا یہ کیا بن رہا ہے؟ جراح نے کہا کہ شیر کے کان بنا رہا ہوں تو اس نے کہا کان رہنے دو ، کان کٹے شیر بھی تو ہوتے ہیں ، جراح نے آنکھ بنانی چاہی تو اس نے کہا کہ ایک آنکھ رہنے دو ، شیر کانا ہو تو کیا فرق پڑتا ہے ، تیسری چبھن پہ پوچھا اب کیا بن رہا ہے جراح بولا شیر کے پاؤں بنا رہا ہوں اس نے کہا ایک ٹانگ رہنے دو ، لنگڑا شیر ہی بنا دو الغرض ہر چبھن اور ٹیس پر وہ شیر کا ایک ایک عضو ختم کرواتا گیا بالآخر جراح نے کہا کہ ایسا شیر مجھ سے نہیں بن سکتا جس کی نہ آنکھ ہو نہ کان ، نہ ٹانگ ، اور نہ دم اگر ایس ہی شیر بنوانے کا شوق ہے تو کسی اور سے بنوا لو۔

اسی تمثیل کے مطابق ہمارا "روشن خیال" مسلمان ، دائرہ اسلام میں رہنا چاہتا ہے ، کہ نماز نہ پڑھی تو کیا ہم مسلمان نہیں رہیں گے؟شراب ، جوا ، ڈانس ، سود ، بے حجابی ایس مشاغل اختیار کر لئے تو کیا ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے؟اگر تہذیب مغرب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تو اسلام پر کیا حرف آ جائے گا؟

اگر سیاسی نظام مغرب سے ، معاشی نظام سے اشتراکیت سے ،

Marfat.com

قانونی نظام فرانس سے لے لیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟علی ہذا القیاس اسلام کے اصولوں سے لے کر اس کی ہر ہر شق سے پہلو تہی بھی ہم کرنا چاہتے ہیں اور برابر مسلمان بھی رہنا چاہتے ہیں ' یہ رویہ سراسر کٹ حجتی پر مبنی ہے جسے ایمان و دانش کی بارگاہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

برصغیر میں انگریزی نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے نے اپنے مقصد تعلیم اور طریقہ تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے ذریعے ہمیں ''جسم مشرقی مگر روح مغربی درکار ہے'' یعنی اس میکدۂ تعلیم میں خم لنڈھانے والے بیشک نسلی مسلمان رہیں ' نام ان کے مسلمانوں جیسے ہوں ' لباس وہ اسلامی طرز کا پہنیں ' شادی بیاہ اور نکاح طلاق شرعی طریقے سے کریں لیکن ان کی سوچ ' فکر ' دماغ ' قلب اور روح مغرب کے رنگ میں رنگا ہو ' تاکہ فکری بالادستی یورپ کی برقرار رہے ' اب لارڈ میکالے کو کون جاکر قبر میں بتائے کہ آپ کو تو ہم سے صرف روح مغربی درکار تھی اور جسم کے مشرقی ہونے پر آپ کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا ' مگر ہم اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ روح تو مغرب کی ہے ہی ہم نے اپنا قالب اور چولا بھی مغربی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ' رسم و رواج ' بولی ٹھولی ' گھر کا ماحول ' آداب محفل ' ونت و جلوت کے اطوار ' لباس کی تراش خراش اور لب و لہجہ تک ہم نے افرنگی بنا ڈالا ' فقط رنگ بدلنے کی کمی رہ گئی ہے اگر بس میں ہو تو یہ بھی کر ڈالیں۔

ہمارے ہاں ایک بڑے اور موثر طبقے کی (جو سیاسی ' معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے بالادست طبقہ ہے)یہ ذہنیت کیوں بن گئی ہے کہ وہ یورپ کے اعزازکو اعزاز اور اس کے الزام کو الزام سمجھتا ہے؟اس کی بنیادی وجہ وہ سطحیت پسندی ' اتھلاپن اور اعتماد کا فقدان ہے جو کسی فرد یا قوم میں مناسب تربیت کی کمی اور اپنی اصل اور جڑ سے پیوستگی میں نقص کے باعث پیدا ہو جاتا ہے ' جس طرح کوئی درخت خواہ کتنا بے ڈول ہو مگر اس کی جڑ بہت گہری اور تنا مضبوط ہو تو معمولی ہوا تو کیا جھکڑ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ' اور اس کے مقابلے میں بڑا نرم و نازک

Marfat.com

، خوشنما ، تراشیدہ ، خراشیدہ درخت تیز ہوا کے ایک جھونکے کی مار برداشت نہیں کر سکتا ، اسی طرح وہ قومیں جو محض فیشن ، نمائش ، آرائش اور تکلفات کی دلدادہ اور عادی بن جائیں اور اپنی تہذیب ، ثقافت ، اپنے ورثے اپنی تاریخ اور اپنے دینی رشتوں کو یکسر فراموش کر بیٹھیں وہ پراپیگنڈے کی معمولی ضرب اور ترغیب کی برائے نام جھلک سے نیم جان ہو جاتی ہیں ، اور ذہنی و روحانی امراض کا ایک لشکر ان کا گھیراؤ کر لیتا ہے انہی بیماریوں میں ایک اعتماد کے فقدان کی بیماری ہے جو قوم کو حوصلہ مند اور جری بنانے کے بجائے موم کی گڑیا ، بنا دیتی ہے جس کا ناک نقشہ ہر چوتھے روز بدلتا رہتا ہے۔

اعتماد ہی وہ جوہر ہے جو فرد او قوم کو انداز خسروانہ عطا کر دیتا ہے ، آداب خود آگاہی آ جائیں تو غلاموں پر بھی اسرار شہنشاہی کھلتے چلے جاتے ہیں۔

مور اپنی تمامتر خوبصورتی اور رعنائی کے باوجود اپنے پاؤں دیکھ کر شرما سا جاتا ہے اس کا یہ رویہ اس کے اعتماد کو ہر روز مجروح کرتا ہے اسی طرح مسلمان شاندار ماضی ، پرشکوہ تہذیب ، قابل فخر روحانی ورثہ ، رشک آمیز علمی پس منظر ، اور گرانقدر دماغی اور فنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایک ذرا سا رنگ کا میلا ہونا یا انگریزی میں کمزور ہونا ہمیں مور کی طرح اپنے پاؤں دیکھنے پر اکسا دیتا ہے اور ہم شرمانے لگ جاتے ہیں ، اگر آنکھوں میں بقول حکیم الامت علامہ اقبال" خاک مدینہ و نجف کا سرمہ ہو تو جلوۂ دانش فرنگ سے خیرہ ہونے کا سول ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

انسان کے ہر اقدام کا دارومدار اس کے فکری محور پر ہوتا ہے ، مثلاً ایک مسلمان کی سوچ کا تانا بانا اسلام سے بنا ہوا ہوتا ہے ، اس کی وفاداری اور اطاعت کا مرکز خدا اور رسول کی ذات ہوتی ہے ، اس کے نزدیک فقط عالم دنیا ہی تمام امور و معاملات کا منتہا نہیں بلکہ یہ سلسلہ آخرت تک چلتا ہے ، اس کے عقیدے کے مطابق خوشنودی محض انسانوں کی مطلوب نہیں بلکہ رضائے الٰہی ہر چیز پر مقدم ہے ، اس کے ہاں کسی عمل کی تصویب یا تردید قرآن و سنت سے مشروط ہے الغرض

Marfat.com

اس طرح کی دوسری چیزیں جو ایک مسلمان کی فکری ساخت کو دوسرے لوگوں سے ممیّز کرتی ہیں ، تو لامحالہ ایک مسلمان کا معیار تہذیب ، اصولِ خیر و شر ، فلاح و حسران کے ضابطے اور عزت و ذلت کے پیمانے یقیناً دوسروں سے مختلف ہوں گے ، اگر ایسا ہو گا تو پھر کسی مسلمان کو برتر ، اور کمتر ، بہتر اور بدتر صحیح اور غلط اور اعزاز اور الزام کے بارے میں فیصلہ کرنے یا کسی چیز کا انتخاب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی ، اگر فکری سمت متعین نہ ہو ، وفاداری کا مرکز طے نہ ہو ، دنیا اور دنیا کے پیدا کرنے والے رب کی خوشنودی میں فرق واضح نہ ہو تو مسلمانوں سے ایسے ہی لطیفے سرزد ہوتے ہیں جیسے کہ آج کل کے دور میں ہو رہے ہیں ، کہ ہمارے ہی بقول ہمارا ایمان تو خدا و رسول پر ہے لیکن نظام سیاست اور انداز معیشت و معاشرت یورپ کا رائج ہونا چاہئے یہ تضاد اس لئے ہے کہ ہم اپنا رخ متعین نہیں کر پا رہے جس کے نتیجے میں ہمارا معیار تہذیب طے نہیں ہو رہا اور اہم اور غیر اہم میں ترجیح قائم نہیں ہو رہی ، اگر ہر بڑے اور چھوٹے امر میں خدا اور رسول کو اپنا حاکم اور فیصل مان لیں اور اپنے دین اور اپنی تہذیب کو اپنی روحانی اور فکری و عملی توانائی کا سرچشمہ قرار دے لیں تو ہمارے اندر نہ یورپ سے مرعوبیت کی بیماری رہ جائے گی اور نہ ہر بات پر معذرت خواہی کی عادت اور ہم میں ایک طرح کا اعتماد اور حوصلہ پیدا ہو جائے گا۔

اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کے آئے دن کروٹ بدلتے حالات اور تقاضوں کے ادراک سے عاری ہو جائیں ، دنیا کے لوازم سے بے خبر ہو جائیں ، عالمی نشیب و فراز سے لاتعلقی کا رویہ اپنا لیں ، جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ نہ کریں ، علوم و فنون کے ارتقاء سے بے بہرہ رہیں ، دنیا کے نئے بندوبست میں خود کو شامل نہ کریں سائنسی انکشافات اور اکتشافات سے فیض یاب نہ ہوں ، دنیا کی ترقی اور صنعت کی ترویج میں حصہ دار نہ بنیں اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے تہہ در تہہ واقعات اور ان کے مضمرات ، اثرات اور نتائج سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ جائیں لیکن اپنی ناک کا چھید اتنا بھی کھلا اور ڈھیلا نہ رکھیں کہ ہندو آئیں تو اپنی معاشرت کی نکیل ہمارے

Marfat.com

ناک میں ڈال دیں ، یورپ اپنی تہذیب کی نکیل ڈال دے ، امریکہ اپنی سیاسی غلامی کی نکیل ڈال دے اور یہ سب کچھ ہم چپ کرکے برداشت کرتے رہیں۔

یہ ہماری فکری و تہذیبی کمزوری ہی تو ہے کہ ہم اپنے بچے کو گھٹی ڈالنے کے عمل سے لے کر شادی بیاہ تک اپنے آغاز سیاست سے مسند اقتدار تک اور الف با سے لے کر تعلیم کی آخری ڈگری تک ، دوسروں کے رواج اور معیار کے مطابق ڈھلتے نظر آتے ہیں کبھی ہم اپنے اوپر اپنا رنگ بھی تو چڑھائیں جس سے ہم سے بہت دور کھڑا ہوا شخص بھی ہمیں پہچان کر پکار اٹھے کہ یہ مسلمان ہے ، ہمارا کردار ، ہمارا معیار ، ہمار انداز ، ہمارے اطوار اور ہمارا چہرہ بشرہ خود ہمارا پتہ اور "شناختی کارڈ" بن جائے ، قرآن مجید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک جگہ کہتا ہے سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا چہرہ ان کے صحابی رسول ہونے کا پتہ دیتا تھا ، اس عہد میں جبکہ ہمارا اپنا معیار تہذیب مستحکم تھا کسی کو کسی مسلمان کے پہچاننے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔

یہ باتیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوں گی لیکن دیگ کا ایک چاول جس طرح پوری دیگ کا پتہ دیتا ہے اسی طرح یہ معمولی باتیں ہماری فکری سمت اور عملی روش کا پتہ دیتی ہیں کہ ہم سخت گرم علاقے کے باسی ہیں مگر ہمارا طرز تعمیر یورپ جیسا بنتا جا رہا ہے جو کہ ٹھنڈا علاقہ ہے ، اس بات کا دین یا اصول دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن ہماری نقالی کی چغلی ضرور ہو رہی ہے کہ ہم اپنے علاقے کے تقاضوں اور اپنے موسم کے لوازم کو نظرانداز کر کے اپنے گھر اور دفتر بنا رہے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے یورپ میں اس طرح دیکھا ہے۔

جو شخص مالی طور پر ذرا خوشحال یا افسر ہو جائے گا تو شادی بیاہ ، دفتر یا تقریب میں گرمیوں کے موسم میں بھی تھری پیس سوٹ پہنے گا کیوں؟ شاید وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں انگریز لگوں گا اور لوگ مرعوب ہوں گے ، اسی طرح بے ہنگم موسیقی خواہ سمجھ آئے یا نہ ، مغرب کی پیروی میں اپنے ہاں رائج کر رہے ہیں کیوں؟ اسی لئے کہ فیشن

Marfat.com

کا تقاضا ہے۔

ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا مشترکہ خاندانی نظام تباہ کر رہے ہیں جو ہزاروں مشکلوں کے باوجود لاکھوں برکتوں اور خوشیوں کا باعث ہے ' گھر کا ہر فرد "پرائیویسی" کے چکر میں ہے ' ہر ایک کا اپنا کمرہ ' اپنے یار دوست ' اپنے کھانے پینے کے اوقات ' اپنا سونے اور جاگنے کا شیڈول ' ایسا کیوں ہے؟اس لئے کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ یورپ میں بیٹی ماں کی اور بیٹا باپ کا پابند نہیں سو ہم ایسا کر رہے ہیں۔

اس بگٹٹ دوڑ کا یہ نتیجہ سامنے ہے کہ محراب و منبر سے لے کر صحافت اور سیاست تک مقصدیت ' سنجیدگی ' وقار ' تقویٰ ' خوف آخرت اور احترام کے رویے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں ' بے یقینی اور اعتماد کا فقدان ظاہر ہے کچھ تو کرشمے دکھائے گا۔

اگر انسان ساری عمر صرف باہر ہی باہر دیکھتا رہے یا آگے آگے ہی دیکھتا رہے تو وہ کبھی اپنے باطن کے حسن سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح وہ اپنے خوبصورت ماضی کے شاندار ورثے کی یادوں سے محروم ہو جاتا ہے ' حسن باطن سے بے خبری اور یاد ماضی سے محرومی اتنا معمولی نقصان نہیں کہ کوئی شخص کسی اندھے شوق کی خاطر خواہ مخواہ برداشت کر لے۔

بات ہو رہی تھی خوداعتمادی کی جس میں کمی آئی تو ہمیں اپنا "حسن" قبح اور دوسروں کا "قبح" حسن نظر آنے لگا ' سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ آتا ہے جو ہمارے لئے مفید مطلب ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں اور اسی طرح کا کلمہ توحید صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی پڑھا تھا مگر دونوں نفسیات کا بے پناہ فرق ہے انہیں اپنی تہذیب اور اپنے آداب معاشرت پر ناز تھا اور ہمیں دوسروں کے آداب و اصول عزیز ہیں۔

ایک مرتبہ گورنر مدائن (عراق) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دوسرے ملک کے وفد سے ملاقات کر رہے تھے اس دوران کھانے کا وقت ہوا تو زمین پر دسترخوان بچھایا گیا ' دوران طعام حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر زمین پر گر پڑا آپ نے اسے

Marfat.com

زمین سے اٹھا کر جھاڑا اور دوبارہ منہ میں رکھ لیا ، آپ کے ذاتی معاون قریب بیٹھے تھے انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا ، یا حضرت ، یہ لوگ مہذب ملک کے شہری ہیں اور پر تکلف تہذیب کے آدمی ہیں ، آپ نے زمین پر گرا ہوا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ منہ میں رکھ لیا ، یہ لوگ کیا سوچیں گے کہ مسلمانوں کو حکومت مل گئی ہے لیکن اتنی نفاست نہیں آئی کی مٹی میں لتھڑا ہوا لقمہ تک دوبارہ کھا لیتے ہیں ، آپ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ "کیا میں اپنے پیارے رسول ﷺ کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں؟" (ء اترك سنته حبيبي لهولاء الحمقاء) یعنی یہ مسنون طریقہ ہے کہ اگر کوئی حلال اور طیب کھانے کی چیز زمین پر گر پڑے تو ازرہ تکبر اسے وہاں نہ پڑا رہنے دیا جائے بلکہ صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جائے ورنہ نعمت خداوندی کی ناشکری کا الزام آ سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اعتماد جو صدر اول کے مسلمانوں میں تھا انہیں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں وضع ہونے والے آداب و رسوم کے مقابلہ میں مسجد نبوی کے کچے فرش پر ترتیب پانے والی سنتوں اور قائم ہونے والے طریقوں سے زیادہ طبعی انس اور قلبی لگاؤ تھا دوسروں کے پکے گھر دیکھ کر اپنا کچا گھروندا گرا دینا یا تو بدمستی ہو گی یا پھر بے عقلی!

یہ اور اس طرح کی مثالیں فرائض اور واجبات کا درجہ نہیں رکھتیں کہ انہیں من و عن دہرایا جائے بلکہ ان کے ذریعے میلان طبع اور رجحان خاطر ضرور متعین ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے تو پرائی جنت ہی کو ہر وقت طمع کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہئے اپنے ہی زور بازو سے حاصل کی ہوئی نان شعیر پر مدار قوت حیدری ہوتا ہے ، اور یہی مردان کار کا شیوہ ہے ، غنا مال سے نہیں نظر اور دل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ، اگر ہمارے پسینے ایک اصطلاح سن کر چھوٹنے لگیں تو کب سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو سکیں گے!

اسی خوداعتمادی کے حوالے سے ایک بات حکیم الامت علامہ اقبال" کے بارے میں تحریر کرنے کے قابل ہے کہ کسی تقریب میں ایف سی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس کی ملاقات حضرت علامہ" سے ہوئی ڈاکٹر

88042

Marfat.com

لوکس نے سوچا ہو گا کہ حضرت علامہؒ "روشن خیال" آدمی ہیں انؒ سے یہ پوچھ لیا جائے کہ واقعی قرآن حکیم انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام پر نازل ہوا یا محض مفہوم وارد ہوا اور الفاظ پیغمبر اسلام کے اپنے ہیں، جس دور میں یہ بات پوچھی جا رہی تھی وہ عہد اسلام اور اہل اسلام کے لئے خاصا پرآشوب اور فتنہ انگیز تھا، انگریز ہم پر مسلط اور حاکم تھا اور بڑے بڑے "عمائدین ملت مسلمہ" معذرت خواہی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے، حتی کہ ان کی اس کتربیونت سے اسلام بیچارہ نیم جان ہو رہا تھا، عقائد سے لے کر سنن تک میں "گوری سرکار" کی مرضی کے مطابق ترمیم و تنسیخ کے تیشے چلائے جا رہے تھے اور اپنے اچھے خاصے تاریخی قد کاٹھ کو یورپ کے تنگ جامے میں فٹ کرنے کے لئے کاٹا چھانٹا جا رہا تھا، وحی، الہام، ملائکہ، جہاد، جزیہ، حجاب، سود، جیسے مسائل کی نئی نئی دل خواہ بلکہ "انگریز خواہ" تعبیریں پیش کی جا رہی تھیں، المختصر اس ماحول میں حضرت علامہ کا جواب کس قدر اعتماد افزاء، یقین افروز اور ایمان پرور تھا وہ ملاحظہ فرمایئے۔

"آپ نے کہا کہ میرا تمام مسلمانوں کی طرح ایمان ہے کہ قرآن حکیم انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام ؐ پر نازل ہوا، کیوں کہ بارہا مجھ پر پورے کا پورا شعر الفاظ و حروف سمیت وارد ہوا ہے، میں نے فقط اسے اپنی بیاض میں نقل کر لیا، اگر مجھ جیسے شخص پر شعر الہام ہو سکتا ہے تو نبی ؐ کی ذات پر قرآن اس طرح نازل کیوں نہیں ہو سکتا؟ آج اگر کوئی ناپختہ اور خام خیال "دانشور" اسے حضرتؒ علامہؒ کی خوش اعتقادی قرار دے تو اس کا اپنا قصور فہم ہے، اسی خوداعتمادی نے تو حضرت علامہ کو "حکیم الامت" کا منصب بخشا ہے ورنہ وہ ہمیشہ

ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اور اس طرح

ع موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

کی تلقین کیوں کرتے رہتے؟

اس تلقین میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ خوداعتمادی کی کمی انسان

Marfat.com

میں بے یقینی پیدا کرتی ہے اور بقول اقبال"

ع غلامی سے بتر ہے بے یقینی

اور یہی بے یقینی انسان کو ایک لڑھکتا ہوا پتھر(Rolling Stone) بنا دیتی ہے جو بالآخر سر کے بل کسی اندھی کھائی میں جا کر گرتا اور پاش پاش ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا ایک پہلو، جس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ کسی اعزاز یا الزام، کسی خیر اور شر، اور کسی فائدے اور نقصان میں رد و قبول کا معیار کیا ہونا چاہئے؟ یہی معیار ہی ہے جو قوموں کی اقدار تشکیل دیتا ہے اور انہی اقدار کی بدولت قوموں کے گرنے یا سنبھلنے کے رویے ترتیب پاتے ہیں، اگر ہر بات کو اس کا سیاق اور سباق جانے بغیر قبول یا رد کر دیا جائے تو پھر کوئی بات بن ہی نہیں سکتی۔

آج امریکہ اگر ہمیں "بنیاد پرست" کہتا ہے اور ہم فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں، کہ نہیں ہم بنیاد پرست نہیں ہیں یعنی آپ کے مفہوم کے مطابق تاریک خیال، جنگجو، قدامت پسند اور روایت پرست نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو امریکہ ہمیں "کلمہ گو" کہہ کر چھیڑنا شروع کر دے اور اس کا مفہوم یہ بتائے کہ "کلمہ گو" کا مطلب وہم پرست، گاؤدی، اور بزدل ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہتا ہے، دکھ تکلیف میں نمازیں پڑھتا ہے، آخرت میں ثواب و عذاب کو مانتا ہے تو کیا ہم فوراً وضاحتوں پر اتر آئیں اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں کہ نہیں "ہم کلمہ گو" نہیں ہیں، ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں، اور "کلمہ گو" کا جو مفہوم امریکہ متعین کر دے ہم اسے "الہام ربانی" سمجھ کر اس پر ایمان لے آئیں، ظاہر ہے یہ سلسلہ پھر، کہیں رکتا نظر نہیں آتا تو کیوں نہ "گر بہ کشتن روز اول بہ" کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے علی الاعلان کہہ دیں کہ ہاں ہم بنیاد پرست ہیں ایک کچی کوٹھڑی بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی تو ایک امت ایک قوم اور ایک ملت بغیر بنیاد کے کیوں کر اقوام عالم کی صف میں اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے؟

رہا بنیاد پرست کا وہ مفہوم جو امریکہ سمجھتا اور ہم پر چسپاں کرتا

Marfat.com

ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہئے کہ تاریک خیال ، جنگجو ، اور توہم پرست ہم نہیں تم ہو ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھ لو جب اسلام کا نور اور قرآن کا پیغام دنیا کو منور اور انقلاب آشنا کر رہا تھا یورپ اندھے غاروں میں پڑا ہوا تھا ، معمولی نظافت تک کا یورپ کو علم نہیں تھا ، تہذیب تو دور کی بات ہے ، صلیبی جنگیں ہمارا نہیں تمہارا ورثہ ہے ، ہمارا سفر دارارقم سے شروع ہو کر فتح مکہ پر منتج ہوا اس دوران نہائت معمولی خون بہا ، اتنا کہ جس قدر عام انسانی دنیا میں معمول کے مطابق قتل ہوتے ہیں ، اور تم ہو ، ہمیں جنگجو کہنے والے ، جبکہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی آب و ہوا تمہارے وحشیانہ حملوں اور انسانی قتل عام کی بو سے اب تک مسموم اور روز حشر تک آلودہ رہے گی۔

ہم مسلمان آج بھی قرآن و سنت کی روشنی میں حق اور باطل واضح اور طے شدہ ہیں ، دونوں میں حد فاصل ازل سے ابد تک قائم رہے گی ، لیکن تمہارے نزدیک حق صرف طاقت کا نام ہے اور باطل کا مفہوم حالات کے تحت آئے روز بدلتا رہتا ہے ، اس لحاظ سے تاریک خیال تم ہو یا ہم ہیں؟

گذشتہ نصف صدی کی تاریخ ہی اٹھا کر دیکھ لی جائے اور آزادی کی تحریکوں میں ہونے والی خونریزی کا باب کھول لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان خونخوار ہیں یا یورپ اور امریکہ کے منہ کو خون کی چاٹ لگی ہوئی ہے ، لیبیا میں سنوسی کی تحریک ہو یا الجزائر کی خون آشام جدوجہد ، مسئلہ کشمیر ہو یا جلیانوالہ باغ ، ویت نام کا معرکہ ہو یا افغانستان کی جنگ ، اور عراق پر خون بار حملہ! یہ کون سے تاریخ کے خفیہ گوشے ہیں جو کسی کو معلوم نہ ہو سکیں؟

ذرائع ابلاغ کے پراپیگنڈے کے زور پر نہ تاریخ مسخ ہوتی ہے اور نہ امر واقعہ تبدیل ہوتا ہے ہم وہ امت ہیں جس کے ہر فرد کے لئے ہمارے خدا ، ہمارے رسول ، ہمارے دین اور ہمارے قرآن نے جو نام پسند کیا ہے وہ "مسلم" ہے اور ہمارے نام ہی میں "سلامتی" کا جوہر مضمر ہے ، ہے کوئی دوسری امت ، ملت یا قوم جو اس باوقار اور امن کے علمبردار نام سے موسوم ہو؟

Marfat.com

امریکہ اوریورپ کی یہ ٹھسے بازی تو اس اردو کہاوت کو سچ ثابت کر رہی ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" جس ملت کا خدا "رب العالمین" جس امت کا نبی "رحمۃ اللعالمین" جس قوم کا ضابطہ حیات "ہدی للعالمین" اور جس جماعت کا اپنا نام "المسلمین" ہو غضب خدا کا ، اسے استعماری طاقتیں جنگجو ، تاریک خیال اور علم دشمن کہیں ، فیا للعجب!

سورج کو لگے دھبہ فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر ، اللہ کی مرضی ہے

اب ذرا بات خاص اس حوالے سے ہو جائے کہ یورپ اور امریکہ کی طرف سے اس نفسیاتی یلغار کا مقصد کیا ہے کہ وہ ہمارے لئے نت نئے نام گھڑتا اور ہم سے ایسے القاب منسوب کرتا ہے جو اپنی ترکیب میں تو اتنے غلط نہیں ہوتے مگر یورپ اور امریکہ کا پراپیگنڈہ انہیں ایٹم بم کی طرح خوفناک اور گالی کی طرح شرمناک بنا دیتا ہے ، ہمارے نزدیک اس نفسیاتی ٹکنیک کا واحد مقصد مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی قوت مزاحمت کا امتحان لینا ہے کہ آج کل مسلمان کس پانی میں ہیں؟انہیں اپنی جڑ بنیاد سے اکھاڑنے کا وقت آگیا ہے یا ابھی انتظار کرنا چاہئے؟بدقسمتی سے ہم اس معاملے میں کمزور نفسیات کے لوگ واقع ہوئے ہیں کہ ابھی امریکہ کے منہ سے الزام کے الفاظ پورے طور پر ادا نہیں ہو پاتے کہ ہم پہلے لجانا اور کسمسانا شروع کر دیتے ہیں اور دائیں بائیں سے لغت کی کتابیں ڈھونڈھ کر معذرت کے الفاظ تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

آج ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے "بنیاد پرست" ہونے کی تردید کر کے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کر لیا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ امریکہ اور یورپ شائد ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں ، اور وہ ہم سے کہیں کہ تم کس طرح "بنیاد پرست" نہیں ہو جبکہ تمہارے ملکوں کے نام کے ساتھ اکثر "اسلامی جمہوریہ" کا لفظ آتا ہے ، تمہارے ہاں "مذہبی امور" کی باقاعدہ وزارتیں ہیں تم ہر سال "حج پالیسی" بناتے ہو ، تمہارے اجلاسوں کا آغاز "تلاوت" سے ہوتا

Marfat.com

ہے ، مصافحہ کے وقت تم ''اسلام علیکم'' کہتے ہو ، تقریر کا آغاز ''بسم اللہ'' سے کرتے ہو ، تمہارے قومی ترانے میں ''سایہ خدائے ذوالجلال'' آتا ہے ، پاکستان کا دارالحکومت ''اسلام آباد'' ہے اور اکثر مسلمان ملکوں کا سرکاری مذہب ''اسلام'' ہے۔

فلہذا ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' کے مصداق ، ہمیں یورپ اور امریکہ سے ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہئے کہ وہ ایک نہیں دوسرے ، دوسرا نہیں تیسرے بہانے سے ضرور ہمیں بدنام اور زچ کرتے رہیں گے اور ہم کہاں کہاں اور کس کس بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے؟

قرآن حکیم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ ''تم جب تک اپنا دین نہیں بدل دو گے وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے''، مغرب کو ہماری شکل و صورت اور افرادی و مالی وسائل سے خطرہ نہیں اسے ہمارے ''نظریہ حیات'' سے ڈر ہے جو فی الواقع اور ان کی نگاہ میں بھی حیات آفریں ، طاقتور ، زندہ ، متحرک اور ہر چیلنج کا سامنا کرنے والا نظریہ حیات ہے ، اگر تو ہم اپنے نظریہ حیات سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں تو یہ بات بالکل دوسری ہے لیکن اسلام کے فیصلہ کن کردار کی موجودگی میں یورپ اور امریکہ ہم سے کبھی خوش اور مطمئن نہیں ہو سکتے ، کیوں کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی ، معاشی فراغت ، دفاعی ساز و سامان ، فنی صلاحیت اور استحکام حکومت جیسے امور میں ہم سے بہت آگے ہیں اگر وہ ہم سے پیچھے ہیں تو وہ نظریاتی قوت ہے جس سے وہ محروم ہیں ، حیات و کائنات کے ان روحانی اصولوں اور ضابطوں سے محروم ہیں جس سے ان کا پورا نظام معاشرت ایک مستقل خلاء کا شکار ہے جسے وہ ایٹم بم اور دولت کے زور سے پر نہیں کر سکتے۔

ان کی یہ خواہش طشت ازبام ہوا چاہتی ہے کہ کمیونزم خواہ جیسا برا بھلا نظام تھا بہرحال اپنی پشت پر ایک نظریاتی قوت رکھتا تھا اور ان کے لئے ایک چیلنج اور دردسر تھا جسے مغرب کی قوت نے پاش پاش کر دیا اب ان کے لئے مسئلہ صرف ''اسلام'' رہ گیا ہے وہ اسے بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تب جا کر امریکہ اور یورپ کو سکون نصیب ہو گا ، اس

Marfat.com

لئے ان کی نفسیاتی یلغار کا ہر راستہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف جاتا ہے اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ امریکہ پہلے پہل "بنیاد پرستی" کا چرچا کرے گا اور رفتہ رفتہ اس "بنیاد پرستی" کو "دہشت گردی" کا مترادف بنا دے گا ، وہ جس ملک کواپنی غنڈہ گردی کا نشانہ بنانا چاہے گا اس پر "بنیاد پرست" ہونے کا لیبل چسپاں کر دے گا اور اس کا مطلب "دہشت گرد" ملک ہو گا تو اگلے قدم کے طور پر ان اداروں کی وساطت سے (جو خود اس کے محتاج اور دست نگر ہیں" قراردادیں منظور کرائے گا قبل ازیں ایسی قراردادیں موجود ہیں کہ "دہشت گرد" ملکوں کے خلاف سخت ترین کارروائی ہو سکتی ہے ایسے ملکوں کی اقتصادی ناکہ بندی سے لے کر براہ راست ان پر فوج کشی کی جائے گی۔

حلیف یورپی ملکوں کے عوام کی رائے اور رد عمل سے بچنے کے لئے پہلے ہی نفسیاتی محاذ کھولنا امریکہ کی پالیسی اور حکمت عملی کا حصہ ہے تاکہ وہ اپنے حلیف ملکوں اور ان کے عوام کو باور کرا سکے کہ جس کے خلاف فوجی کارروائی ہو رہی ہے وہ "دہشت گرد" ملک ہے اور اس کارروائی کا اخلاقی جواز ہے اس مرحلے پر پہنچ کر ہماری سوچ کے دو دھارے اور ہمارے لئے انتخاب کے دو راستے ہیں۔

ہم برابر "بنیاد پرستی" کے الزام کی تردید کرتے رہیں ، اور یوں "دہشت گردی" کے لیبل سے بچ جائیں یاہم ڈنکے کی چوٹ پر خود کو "بنیاد پرست" تسلیم کریں اور اپنا مدعا اور مفہوم واضح کرتے رہیں۔

نظر بظاہر پہلا راستہ محفوظ اور محتاط راستہ ہے اور ہمارے بعض دانشور اور تجزیہ نگار اسے منتخب کر رہے ہیں اور دوسرے راستے کو وہ جذباتی اور اشتعال انگیز بتلاتے ہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں آخرالامر دوسرا راستہ ہی بقاء اور استقلال کی ضمانت فراہم کرے گا ، کیوں کہ امریکہ کی نیت ٹھیک ہوتی تو وہ اور اس کے ذرائع ابلاغ اور زیراثر اور حلیف ممالک کے "دانشور" ہمارے لئے یہ لقب اختراع نہ کرتے ، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ اصطلاح محض "چلمن" ہے اس کے پیچھے اصل "چہرہ" دیکھنے کی ضرورت

Marfat.com

ہے جو بڑا بھیانک اور مکروہ ہے ، اور یہ چہرہ ایسے سانپ کا چہرہ ہے جس کے دو منہ اور بے شمار کینچلیاں ہیں ، جنہیں وہ بدلنے میں ذرا دیر اور تامل نہیں کرتا۔

کشمیر میں اس کا چہرہ اور ہے اور الجزائر میں اور!وہ چاہے تو پوری وادی کو خاک و خون میں لوٹانے والے بھارت کو "سب سے بڑی جمہوریہ" کی سند دے دے اور چاہے تو الجزائر میں انتخاب جیتنے والے فرنٹ کو "بنیاد پرست" قرار دے دے ، جس طرح شیر پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ انڈے دے یا بچے!

اس طرح امریکہ پر بھی کوئی قید نہیں کہ دیو کو پری اور پری کو دیو ثابت کر دے۔

اگر ہمارا رویہ معذرت خواہانہ رہا تو وہ ہمارا گھیرا اور تنگ کرتا جائے گا تاآنکہ ہمیں اپنی شرائط منوانے پر مجبور کر دے گا اور ہماری معذرتوں کو الٹا ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔

یہ بحث اتنا طول نہ کھینچتی اگر ہمارے "لبرل اور ماڈرن" مسلمان رہنما ہر ایسے موقع پر امت کے اجتماعی ضمیر اور مجموعی احساس کے علی الرغم رویہ نہ اپناتے ، البتہ وجدان یہ کہتا ہے کہ اب تک یورپ اور امریکہ ہمارے لبرل "لیڈروں" کے حلیے اور رویے کو دیکھ کر ہماری "غیرت اور ملی وحدت" کا اندازہ کرتے اور اپنے قبیح فیصلے ٹھونستے رہے مگر اب شائد "بندہ صحرائی اور مرد کہستانی" مسلمانوں سے انہیں سابقہ پیش آنے والا ہے آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو اس سے اگلے دن!اب کی بار تاریخ اپنے سینے پر نیا باب رقم کرے گی۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

”چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا“

☼

”روغن خیال“ دانشور تو کہتے ہیں کہ ہمیں چودہ سو سال پیچھے دھکیلا جا رہا ہے لیکن ہم تو اسے اپنی خوش بختی سمجھیں گے اگر کوئی ہمیں چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ کہیں سے ڈھونڈھ کر لا دے ، ہم باز آئے میڈیا کی ترقی سے ، ہماری توبہ لاسلکی کے نظام سے ، ہم ان ساری ایجادات سے محروم بھلے ، ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں ، تہذیب حاضر ہم سے اپنی بجلی واپس لے لے ، گراموفون چھین لے ، ہوائی جہاز ضبط کر لے ، ایٹمی صلاحیت اپنے پاس رکھے ، مواصلات کا نظام معطل کر دے ، ہمیں یہ سب منظور ہے ہمیں کسی طرح ہمارا کھویا ہوا سکون واپس مل جائے ، بھائی چارہ دستیاب ہو جائے اپنے پرائے کی پہچان نصیب ہو جائے ، خوف خدا اور آخرت کا ڈر عطا ہو جائے قناعت کی دولت اور سادگی کی لذت کہیں سے ہاتھ آ جائے اور اس کے لئے ظاہر ہے چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

"دنیا بہت آگے جا چکی ہے ہمیں چودہ سو سال پیچھے دھکیلا جا رہا ہے"
"مولوی ہمیں چودہ سو سال پیچھے لے جانا چاہتے ہیں"
"اب چودہ سو سال پہلے کی باتیں نہیں چل سکتیں"
"چودہ سو سال پیچھے نہیں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے"

یہ اور اس سے ملتے جلتے فقرے ہر اس شخص کی نوک زبان پر رہتے ہیں جو بزعم خویش ماڈرن "لبرل" روشن خیال ، ترقی پسند اور جدیدیت کا حامی ہے ، تحریر ہو یا تقریر دونوں میں ان جملوں کا اظہار اب فیشن بن چکا ہے۔

ہمارے خیال میں ماڈرن آدمی وہ ہوتا ہے جو ماضی کی گرد میں سے مستقبل کے قافلوں کا سراغ لگا سکے اور قدیم علوم میں سے جدید نتائج اخذ کر سکے لیکن ہمارے ہاں ماڈرن زیادہ تر لفظوں کے ہیر پھیر سے ڈرامے کا سماں پیدا کرنے والے ہیں ، لبرل وہ ہوتا ہے جو اپنی سوچ کو قدیم و جدید کی تفریق و تقسیم سے بچائے رکھے لیکن ہمارے ہاں لبرل مبتذل فیشن کے رسیا ہیں ، روشن خیال کا مفہوم از خود واضح ہے ، لیکن ہمارے ہاں اکثر روشن خیال محض "روغن خیال" ہیں جو دوسرے کی چپڑی دیکھ کر اپنی روکھی سوکھی پھینک دیتے ہیں۔

ترقی پسند کا مطلب ذہنی ، فکری ، علمی ، سائنسی ، ادبی ، اخلاقی ہمہ نوعی ترقی کا حامل اور حامی ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں بہت بڑی تعداد "اپنی ترقی پسند" والوں کی ہے ، جدیدیت کا حامی وہ ہوتا ہے جو روح عصر سے خود کو ہم آہنگ رکھ سکے ، لیکن ہمارے ہاں جدیدیت کے علمبردار وہ ہیں جو روح عصر کو قابو میں رکھنے کے بجائے خود بیگمات کے قابوس میں جکڑے ہوئے ہیں ، اگر سر سید" ماڈرن بننے کی بات کریں تو مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے ، اگر اقبال" لبرل ہونے کی تلقین کریں تو کوئی تعجب خیز امر نہیں ، اگر شبلی" روشن خیال ہونے کا مشورہ دیں تو اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟ اگر قائداعظم" ترقی پسندی کا ذکر کریں تو کون نہیں مانے گا؟ اگر سید سلیمان ندوی" جدیدیت کی حمایت کریں تو

Marfat.com

کسی کو بری نہیں لگے گی ، اس لئے کہ ان کی سوچ کا حدود اربعہ ، ان کے عمل کا میدان ، ان کی وابستگی کا مرکز ، ان کی تحریر و تقریر کا موضوع ، ان کی کاوش و کوشش کا محور ، ان کی جہد وسعی کا ہدف ، اور ان کے قول و فعل کا معیار بالکل واضح اور روشن ہے اور ان کی زندگیوں کا روز و شب پتہ دیتا ہے کہ یہ کسی فیشن ، کسی اندھے شوق ، اور کسی کورانہ تقلید کے مریض نہیں تھے ، یہ ہر بات تول کر بولتے اور بول کر تولتے تھے کہ اس حرف میں معنی کس وزن کا ہے؟ وہ خود کو اپنے ضمیر اپنی سوسائٹی اور اپنے خدا کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے ، اور ہر ایک کا کام خود ان کا مقام متعین کر رہا ہے ، مگر جو لوگ "بیبی نیو ایئر" کے نغموں سے زیادہ علم اور مخلوط محفلوں میں ڈانس کے علاوہ کوئی فن اور اپنی اولاد پر کنٹرول تک نہ رکھتے ہوں وہ چاہتے ہیں کہ اکیسویں صدی کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہو تو سچی بات ہے کہ کوشش کے باوجود اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا ، اور ہمارے خیال میں تو خود انہیں بھی سمجھ نہیں آتا صرف فیشن کے طور پر یہ جملے ادا کر دیئے جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں کے "روغن خیال" لوگ دوچار کو چھوڑ کر (اور دوچار کا استثناء تو ہر دور میں اور ہمیشہ ہوتا ہے) سب کے سب یا تو ان کی اولاد ہیں جن کے بزرگ زندگی بھر انگریزوں کے گھوڑوں کے سم جھاڑتے رہے ، یا ان کے دست و بازو بن کر اپنے ہموطنوں کے دست و بازو توڑتے رہے ہیں اور انگریزوں ہی کی سکالر شپ پر ان کی یونیورسٹیوں میں پڑھتے رہے ، یا پھر وہ لوگ ہیں جو کبھی ملک غلام محمد کو مسیحا منوانے پر اپنا پورا زور صرف کرتے رہے ، ایوب خان کے بی ڈی سسٹم کا کل پرزہ بنے رہے ، یحییٰ خان کو "محافظ پاکستان" کا لقب عطا کرتے رہے ، پشتینی جاگیردار اور خوش فکرے سیاستدان ذوالفقار علی بھٹو کو "ڈیگال پاکستان" قرار دیتے رہے ، ضیاء الحق کی شوریٰ میں داخلے کے لئے سفارشیں ڈھونڈھتے رہے ، بے نظیر بھٹو کو "دختر مشرق" کے نام سے یاد کرتے رہے اور یا پھر "شریف فیملی" کی شرافت کا مجسم اعلان و اشتہار بنے اب تک پھر رہے ہیں۔

یادش بخیر! کچھ وہ ہیں جو روسی کمیونزم کو انسانیت کا نجات دہندہ

Marfat.com

کہتے رہے اور اب امریکہ کے قرب کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں ' ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو مولانا حسرت موہانی" جیسی مجاہدانہ اور فقیرانہ بود و باش رکھتا ہو ' محمد علی جوہر" جیسا تقویٰ اور فہم اسے نصیب ہو ' اقبال" جیسی فکری بلندی اور نظریاتی پختگی کا حامل ہو اور قائداعظم" جیسے اعلیٰ کردار کا امین اور وارث ہو۔

ہمیں تسلیم ہے کہ ماضی کی حسین یادوں میں ہمیشہ کھوئے رہنا کوئی صحت مند علامت نہیں لیکن مستقبل کے سراب کے لئے اپنے پاس موجود چلو بھر پانی کو پھینک دینا بھی دانشمندی نہیں۔

چودہ سو سال پہلے کا واضح مطلب عہد رسالت اور دور خلافت ہے ' رسول" اور ان کے خلفاء نے آخر ہماری نسل کا کیا بگاڑا ہے کہ یہ لوگ اتنے آزردہ اور رنجیدہ ہیں؟ اگر ہم لوگوں میں انسانیت کی رمق اور فلاح انسانیت کی ادنیٰ سی خواہش ہے تو ہم سب کو سچے دل سے چودہ سو سال پیچھے کی طرف پلٹنا ہو گا ' نئے دور کے فانوسوں نے اندھیرا بڑھا دیا ہے ' پرانے عہد کے ٹمٹماتے چراغ اب بھی نشان منزل دکھانے کی سکت رکھتے ہیں۔

گذشتہ چودہ صدیوں کو کوسنے والوں سے ہماری دردمندانہ درخواست ہے کہ ہم ان کے اس جملے کو پورا وزن دیتے اور پوری سنجیدگی سے لیتے ہیں لیکن پہلے وہ ہمیں بھی پوری سنجیدگی اور متانت سے بتائیں کہ اس وقت عالم انسانی کو کیا چیز مطلوب ہے؟ ہم ان کی سہولت کے لئے خودفہرست مرتب کر کے ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ' مثلاً

۱۔ مریخ اور زہرہ کی تسخیر یا اپنے نفس امارہ اور بے لگام خواہشات کی تسخیر؟

۲۔ ایٹم بم کی ایجاد یا امن اور سکون؟

۳۔ آرائش بدن یا زیبائش اخلاق؟

۴۔ کمیونزم کی نام نہاد مساوات یا اسلام کی عملی مواخات؟

۵۔ جمہوریت کے نام پر دیو استبداد کا رقص یا خلافت راشدہ کے قالب میں جمہوریت کی حقیقی روح؟

Marfat.com

۶۔ یونی پولر پاور کا تصور یا پا پولر سسٹم آف گورنمنٹ؟
۷۔ امریکہ کی سپریمی یا حاکمیت الٰہی؟
۸۔ سود کی عملداری یا ارتکاز زر پر ضرب کاری؟
۹۔ حکومت برائے حاکمیت یا حکومت برائے خدمت؟
۱۰۔ زر پرستی یا خدا پرستی؟
۱۱۔ ریاء ، جبر ، مکر ، دھونس ، دھاندلی یا اخلاص ، عدل ، سادگی ، انکسار اور عاجزی؟
۱۲۔ دولت کی نمائش یا فقر کی خواہش؟
۱۳۔ ہوس ، حرص ، حسد اور انتقام یا قناعت ، امانت ، عفو اور رحم؟
۱۴۔ ہوائی جہازوں کے ذریعے اونچی اڑانیں یا اخلاق کی بلندی؟
۱۵۔ چمکتی گاڑیوں کی فراہمی یا افراد معاشرہ کا انس باہمی؟
۱۶۔ پاپ میوزک کے نغمے یا باہمی محبت اور اخوت کے زمزمے؟
۱۷۔ ہوٹلوں کی گہماگہمی یا دلوں میں اچھے جذبات کی گرمی؟
۱۸۔ معنی و مفہوم سے عاری الفاظ کا طومار یا قابل اعتماد اور پختہ کردار؟
۱۹۔ فنکاری یا حقیقت نگاری؟
۲۰۔ فلک بوس بنگلوں کی اونچی فصیلیں یا مہر و مروت اور آداب ہمسائیگی کی روشن قندیلیں؟
۲۱۔ حقوق چھیننے کی خواہش یا ادائیگی فرض کی روش؟
۲۲۔ رنگارنگ ملبوسات اور نوبنو زیورات یا سادگی اور متانت کی سوغات؟
۲۳۔ حصول جاہ اور جلب زر کا رویہ یا ترک و ایثار کا ورثہ؟
۲۴۔ "بابر بہ عیش کوش" کا رواج یا خوف خدا اور حساب آخرت کا مزاج؟
۲۵۔ "میم" اور "صاحب" بننے اور کہلانے کا شوق یا بندگی رب اور عشق رسول ؐ کا ذوق؟

یہ ترجیحات کی ایک مختصر سی فہرست ہے ، پہلے یہ طے ہونا چاہئیے کہ کروڑوں اربوں انسانوں کے لئے کون سی چیز ضروری اور مفید ہے اور ان میں سے کون سی چیز عہد حاضر میں دستیاب ہے اور

Marfat.com

کون سی چودہ سو سال پہلے مہیا تھی؟

لاریب آج کے دور نے ہمیں بجلی مہیا کی جس سے جنگل میں منگل کا سماں بندھ گیا لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ روشنیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ آنکھیں چندھیا گئی ہیں نہ اپنے بیگانے کی تمیز رہ گئی ہے اور نہ جائز و ناجائز میں امتیاز اور حق و باطل میں فرق ، ایسی روشنی کا کیا فائدہ جس سے دل ، ضمیر اور احساس کی روشنی جاتی رہی۔

پاپ میوزک اس دور کی ایجاد ہے مگر اس کے بے ہنگم شور میں بے نواؤں کی چیخیں دب کر رہ گئی ہیں۔

مریخ اور چاند تک ہماری کمندیں پہنچ گئیں لیکن ہم اپنا آپ منضبط نہ کر سکے ، فائیو سٹار ہوٹل کھل گئے مگر غریبوں کی قسمت پر پڑے قفل ابھی تک نہیں کھل سکے ، زر اور جاہ کے حصول کی دوڑ اپنی انتہا کو پہنچ گئی لیکن شرف انسانیت اپنی قدر گنوا بیٹھا ، ہماری خواتین "میم" اور ہمارے مرد "صاحب" تو بن گئے مگر کوئی ان میں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا و زینب رضی اللہ عنہا اور خالد رضی اللہ عنہ و طارق" کا جانشین نہ بن پایا ، جمہوریت کا چرچا تو عام ہو گیا لیکن انسانوں کی رائے نیلام ہو گئی ، ہمارے بدن اجلے ہو گئے لیکن اخلاق گدلے رہ گئے ، فلک بوس بنگلے کھڑے ہو گئے مگر انسان اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا ، فنکاروں کی کھیپ تو وجود میں آ گئی مگر حقیقت بیچاری کو دیس نکالا مل گیا ، لفظوں کی بازیگری تو ہم سیکھ گئے مگر انہیں شرمندۂ معنی نہ کر سکے ، علی ہذاالقیاس اگر تو دور حاضر نام ہے انسان دوستی کا ، غریب پروری کا ، باہمی انس اور محبت کا ، حق رسی کا ، عدل کی فراہمی کا ، جو ہر انسانی کے جلا کا ، عزت نفس کے تحفظ کا ، معاشی خوشحالی کا ، ہر فرد بشر کی آزادی کا اور اعلیٰ قدروں کے فروغ کا تو بسر و چشم ہر ذی ہوش انسان اس عہد کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کرتا ہے اگر یہ دور اپنے دامن میں انسانیت کو پناہ نہیں دے سکا ، حسن ، توازن اور عدل کے رویے عطا نہیں کر سکا اور حضرت انسان اس عہد میں گوہر مراد نہیں پا سکا تو معاف رکھیئے چند خوش فکرے لوگوں اور مادر پدر آزاد افراد کی خاطر ہم اپنا پرشکوہ اور حسین ماضی قربان نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

آج کے دور کا مسئلہ یہ ہے کہ ایک بڑے مکان کی مانند اس کا ڈرائنگ روم تو تاباں اور فروزاں ہے مگر دوسرے کمرے گھپ اندھیرے کی نذر ، جبکہ چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ یعنی عہد رسالت و خلافت یکساں تھا ، اگر دودھ کی نہریں نہیں بہتی تھیں تو پانی سب کو میسر تھا ، فرکے کوٹ اور مخمل کی چادریں نہیں تھیں لیکن بدن ہر ایک کا ڈھکا ہوا اور رات کی میٹھی نیند سب کو نصیب تھی۔

ہم مانتے ہیں کہ چودہ سو سال پہلے آکسفورڈ ، کیمبرج اور کیلیفورنیا کی یونیورسٹیاں نہ تھیں ، گز بھر کی ڈگریاں کسی کو نہیں ملتی تھیں ، پرشکوہ عہدے نہیں تھے ، جلالت آمیز نام نہیں تھے ، کئی منزلہ لائبریریاں نہیں تھیں ، پی ایچ ڈی کے مقالے نہیں لکھے جاتے تھے ، سپیشلائزیشن نہیں ہوتی تھی ، آرٹ کا اتنا ذوق نہیں تھا ، کیڈلک کاریں اور فالکن طیارے نہیں تھے ، نوادرات کا شوق نہیں تھا ، ریڈ کارپٹ استقبال کا تصور نہیں تھا ، راتیں آج کی طرح رنگیں اور روشن نہیں تھیں ، پلازے اور ایوان اس شان کے نہیں تھے ، اسمبلیوں کے اجلاس اس اہتمام سے نہیں ہوتے تھے ، الیکٹرانک میڈیا سے وہ دور محروم تھا ، ابلاغیات کا یہ ارتقاء نہیں تھا ، ایجادات کا یہ عالم نہ تھا ، تحقیق کا یہ معیار نہیں تھا ، پریس اینڈ پبلیکیشنز کا دور دورہ نہ تھا ، اور لاسلکی کا نظام وجود میں نہیں آیا تھا لیکن بایں ہمہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے لوگ تھے جن کی صداقت اور راستباری پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا تھا ، عمر فاروق جیسے انسان تھے جن کی میزان عدل کو بیٹے کی محبت بھی اپنے حق میں نہیں جھکا سکتی تھی ، عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے افراد تھے جو منصب و عہدہ سے کچھ لینا نہیں بلکہ اپنی جیب سے بہت کچھ دینا جانتے تھے ، علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے سپوت تھے جو قاتل کو دودھ کا پیالہ پیش کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے ، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو غلامی میں بھی شوکت شاہانہ رکھتے تھے ، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو امن کی خاطر اقتدار اور اصولوں کی خاطر جان قربان کرنا جانتے تھے۔

اس زمانے میں پتھر کے ٹکڑوں ، پارچوں اور پتوں پر قرآن مجید

Marfat.com

لکھا ہوتا تھا لیکن لوگ ایک ایک حرف کی لاج رکھنے والے تھے ، قرات کا فن وہ نہیں جانتے تھے مگر قرآن پڑھتے تو پتھر دل پگھل جاتے ، پارلیمنٹ کے اجلاس تو نہیں ہوتے تھے مگر چوپال میں بیٹھ کر کوئی غلط بیانی نہیں کرتا تھا۔

آج امریکہ کے صدر سے لے کر ادنی شخص تک کوئی ایسا نہیں جو بات کرے تو اس کا وہی مفہوم ہو جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ، بچے تک اپنی معصومیت کھو چکے ہیں ، اس دور کے کچے گھروندے پناہ گاہ تھے مگر آج ماربل کے محل اپنے مکینوں کو تحفظ دینے میں ناکام ہوگئے ہیں آج وائرلیس اور ٹیلیفون کے ذریعے لاکھوں میل تک بات پہنچ جاتی ہے لیکن ایک دل کی بات دوسرے دل تک نہیں پہنچ پا رہی ، رنگین تصویروں ، رنگیں فلموں اور رنگین نظاروں کی بھرمار ہوتی ہے مگر زندگی کا ورق کورے کا کورا رہ گیا ہے کہیں اس پر وفا ، مروت ، ایثار اور محبت کا نقش نظر نہیں آتا۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بش اور کلنٹن کی ترجیحات اور ایک عام آدمی کی ترجیحات میں فرق ہے ہر کوئی اپنے حساب سے دیکھتا ہے عام آدمی اقتدار ایوان ، قیادت اور ناموری کے خواب نہیں دیکھتا وہ امن ، سکون اور رواداری کے خواب دیکھتا ہے اسے سائنسی انکشافات کے مقابلے میں راز حیات کھولنے میں زیادہ دلچسپی ہے وہ راز حیات جو اسے دو وقت کی باعزت روٹی ، رات کی گہری نیند ، گلیوں بازاروں میں گرمجوشی ، ہمسایوں میں محبت اور ہر ایک میں ایک خاص اپنائیت دے سکے۔

بھرے ہجوم میں تنہا کر دینے کا کارنامہ اس دور نے سرانجام دیا ہے ورنہ انسان ایک دوسرے سے اتنا بیگانہ نہیں تھا ، ٹیکسٹائل ملوں کی بہتات کے باوجود تن ڈھانپنے کو چیتھڑوں کے حصول کی کشمکش آج کے دور کا تحفہ ہے ، خورد و نوش کی ہزاروں اقسام کے ہوتے ہوئے کوڑے کے ڈھیر سے رزق کی تلاش آج کے دور کی دین ہے ، کئی منزلہ فلیٹ اور ایکڑوں کی کوٹھیاں اسی دھرتی کے سینے پر ایستادہ ہیں مگر فٹ پاتھوں پر زندگی گزارنے کی سوغات آج کے دور نے دی ہے ، کس کس

Marfat.com

احساس کو آدمی لفظوں کا روپ دے؟

چودہ سو سال پہلے کا نبوی معاشرہ ان اصولوں پر قائم تھا۔

۱۔ کوئی کسی کا غلام نہیں سبھی اللہ کے بندے ہیں۔
۲۔ کسی انسان کو کسی پر فوقیت نہیں سبھی اولاد آدم ہیں۔
۳۔ کوئی پیدائشی طور پر سونے اور مٹی کا نہیں سب کا باوا آدم ایک ہے اور وہ مٹی سے بنایا گیا۔
۴۔ مخلوق خدا کا کنبہ ہے، کوئی کسی کے رزق پر قدغن عائد نہیں کر سکتا۔
۵۔ الٰہی قانون سب کے لئے ہے حتیٰ کہ نبی وقت بھی اس کا پابند اور مکلف ہے۔
۶۔ ہر نوع کا تعصب اور امتیاز "نخوت جاہلیہ" قرار پایا۔
۷۔ ہر ایک خود اپنا محتسب ہے۔
۸۔ ہر شخص آخرت میں جوابدہی کا مکلف ہے۔
۹۔ زندگی امانت الٰہی ہے اس میں خیانت سب سے بڑا جرم ہے۔
۱۰۔ دینوی عزت کے مقابلہ میں اخروی عزت زیادہ وقیع اور قابل لحاظ ہے، وقس علی ذلک۔

جبکہ آج کا معاشرہ عملاً ان اصولوں پر برپا ہے۔

۱۔ ہر شخص اپنی جگہ پر فرعون ہے اور دوسروں کو غلام بنانے کی فکر میں ہے۔
۲۔ ہر شخص اپنے مال اور دولت کی فوقیت ثابت کرنے میں تمام حدود کو پامال کر رہا ہے۔
۳۔ امریکی اور انگریز خود کو کسی طور پر مٹی کا بنا ہوا ماننے پر تیار نہیں۔
۴۔ آئین کچھ عہدیداروں کو ہر قانون اور گرفت سے مبرا قرار دیتا ہے۔
۵۔ اقتصادی امداد کی بندش عیال اللہ کے تصور کی صریحاً نفی ہے۔
۶۔ رنگ، نسل، قومیت اور صوبائیت کے تعصبات آج کا فیشن ہیں۔
۷۔ کوئی کسی کے سامنے جوابدہ نہیں رہا، ہر فرد بشر خود مختاری کے چکر میں ہے۔
۸۔ آخرت کا لفظ "وقیانوسی" قرار پا گیا ہے۔
۹۔ زندگی "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا منظر پیش کر رہی

Marfat.com

ہے۔

۱۰۔دینوی عزت ہی حرف آخر ہے آخرت کے وعدے پر کوئی اعتبار کرنے کو تیار نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سچ فرمایا ہے کہ کوئی الجھن پیش آئے تو اپنے دل سے پوچھو اس کا جواب کبھی غلط نہیں ہو گا آج بھی ہر شخص خواہ مخواہ فلسفے نہ بگھارے ، بلکہ اپنے دل سے پوچھے کہ اس کا اصل مرض کیا ہے اور اس کا صحیح علاج کیا ہے؟اسے کس چیز کی تلاش ہے؟وہ کس دور کی جستجو میں ہے؟اس کا حقیقی مقصد کیا ہے؟وہ کس بات کی کمی محسوس کرتا ہے؟"روغن خیال" دانشور تو کہتے ہیں کہ ہمیں چودہ سو سال پیچھے دھکیلا جا رہا ہے لیکن ہم تو اسے اپنی خوش بختی سمجھیں گے اگر کوئی ہمیں چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ کہیں سے ڈھونڈھ کر لا دے ، ہم باز آئے میڈیا کی ترقی سے ، ہماری توبہ لاسلکی کے نظام سے ، ہم ان ساری ایجادات سے محروم بھلے ، ہم ان سب سے دستبردار ہوتے ہیں ، تہذیب حاضر ہم سے اپنی بجلی واپس لے لے ، گراموفون چھین لے ، ہوائی جہاز ضبط کر لے ، ایٹمی صلاحیت اپنے پاس رکھے ، مواصلات کا نظام معطل کر دے ، ہمیں یہ سب منظور ہے ہمیں کسی طرح ہمارا کھویا ہوا سکون واپس مل جائے ، بھائی چارہ دستیاب ہو جائے اپنے پرائے کی پہچان نصیب ہو جائے ، خوف خدا اور آخرت کا ڈر عطا ہو جائے قناعت کی دولت اور سادگی کی لذت کہیں سے ہاتھ آ جائے اور اس کے لئے ظاہر ہے چودہ سو سال پیچھے جانا پڑے ، تو۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

عالمی قیادت کا امریکی خواب

☼

دراصل رچرڈ نکسن نے باقی ممالک کے لئے تو کچھ اخلاقی ، اقتصادی اور جمہوری معیار وضع کئے ہیں لیکن جب وہ امریکہ کو عالمی قیادت کا سب سے بڑا ، موثر ، جائز اور موزوں امیدوار قرار دیتے ہیں تو اس کے لئے کوئی اخلاقی ضابطہ اور جمہوری رویہ دلیل کے طور پر سامنے نہیں لاتے بلکہ یک بیک وہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے قدیم جاہلی اصول ، اور عہد تاریک کے پامال معیار کو دنیا کے سامنے رکھتے ہیں

●●●

Marfat.com

Marfat.com

کچھ عرصہ ادھر کی بات ہے کہ سابق امریکی صدر اور "واٹر گیٹ سکینڈل فیم" رچرڈ نکسن نے ایک کتاب شائع کی ہے ، جس کا نام ہے"Seize the Moment" (لمحہ گزراں کو قابو کر لو)

یہ کتاب کچھ واقعات ، چند حقائق اور متعدد خوش کن توقعات پر مشتمل ہے ، جس کالب لباب سوویت یونین کی شکست و ریخت اور کمیونزم کی ناکامی کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کی روشنی میں عالمی قیادت کے لئے امریکی خواب کو شرمندہ تعبیرکرنا ہے۔

اس کتاب اور مصنف کے تجزیے کے مطابق امریکہ کے علاوہ اور کوئی ملک عالمی قیادت کے خلاء کو پر نہیں کر سکتا وہ جملہ حضائص اور اوصاف جو عالمی قیادت کے لئے ناگزیر ہیں ، ان کا حامل فقط ایک ہی ملک ہے اور وہ ہے "امریکہ" انہوں نے معروضی حقائق کی بناء پر اپنے استدلال سے دنیا کو باور کرانا چاہا ہے کہ وہ صدق دل سے امریکہ کو اپنا قائد اور رہبر مان لے ، سابق صدر نکسن نے متذکرہ کتاب میں دیگر متوقع امیدواروں کا بھی ایک تجزیہ پیش کیا ہے جو کسی امکان کے درجے میں امریکہ کے حریف بن سکتے ہیں ، لیکن خلاصہ بحث میں مصنف نے امریکہ کی برتری کو ثابت اور متحقق کیا ہے ، سابق امریکی صدر کے مطابق درج ذیل ممالک یا گروپس عالمی قیادت کے دعویدار ہو سکتے ہیں۔

۱۔ جاپان
۲۔ جرمنی
۳۔ یورپی برادری
۴۔ روس
۵۔ چین
۶۔ اسلامی بلاک

ان چھ متوقع امیدواروں کی صلاحیت پر اس کتاب میں مختصر سا تبصرہ کیا گیا ہے اور آخر الامر انہیں عالمی قیادت کے منصب کے لئے نااہل قرار دیا گیا ہے ، نااہلی کے کچھ عوامل داخلی ہیں اور کچھ اسباب

Marfat.com

خارجی ، تجزیے اور تبصرے کے مطابق صورتحال کچھ یوں ہے۔

جاپان --- امیر اور دولتمند ملک تو ہے مگر عسکری اور سیاسی اعتبار سے وہ اتنا کمزور ہے کہ وہ اس منصب کو سنبھالنے کی اپنے اندر ہمت اور قوت نہیں رکھتا ، نیز گذشتہ سامراجی ذہنیت اور کردار کے باعث اردگرد کے ممالک اس پر اعتبار کرنے کو ہرگز تیار نہیں۔

جرمنی --- یہ ملک بلاشبہ دولتمند ہے ، عسکری طاقت میں بھی بہت آگے ہیں ، اس کے پاس چھ لاکھ افراد پر مشتمل جدید ترین مسلح فوج ہے ، لیکن ایک تو جرمنی یورپ کی سیاست میں الجھا ہوا ہے اور دوسرے اس کا جنگجویانہ ماضی اس کے خلاف سب سے بڑا الزام اور اس کے راستے کا روڑا ہے ، اس پس منظر میں یورپ اسے اپنا رہنما ماننے کو تیار نہیں کجا کہ دنیا اس کی قیادت تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

یورپی برادری --- یہ ایک بڑی تجارتی منڈی ہے ، بڑی اقتصادی طاقت بننے کے امکانات ہیں لیکن یہی یورپ جس نے دنیا کو قومیتوں کے فلسفے سے آگاہ کیا ، وہ خود ابھی تک قومیت کے جھگڑے اور خول سے باہر نہیں نکل سکا ، اس لئے وہ عالمی قیادت کے تقاضوں سے آشنا نہیں ہو سکتا۔

روس --- بچا کھچا روس اگرچہ اب بھی ایک طاقت ہے ، اور اس کا ایک عالمی سپر پاور کا رول رہا ہے لیکن شکست و ریخت کے حالیہ صدموں نے اس کی سیاست ، معیشت ، معاشرت اور عسکریت کا انجر پنجر ہلا کر رکھ دیا ہے بناء بریں اسے کروٹ لینے اور بیدار ہونے میں ایک عرصہ لگے گا۔

چین --- اس کے پاس افرادی قوت ہے ، بہت حد تک ترقی بھی کر لی ہے ، ایک بڑا ملک ہے مگر چین میں انسانی حقوق کا ریکارڈ اور جمہوریت کا معاملہ بہت خراب ہے ان وجوہ کی بناء پر چین اقوام عالم میں تنہا ہے اور اس کی عالمی سطح پر قیادت ایک ناقابل تصور بات ہے۔

اسلامی ممالک کا بلاک --- مسلم بلاک ۲۷ ، قوموں پر مشتمل ایک ارب آبادی کا خطہ ہے لیکن اپنے اندرونی عوارض میں بری طرح مبتلا ہے ، مسلم بلاک کو علاقائی ، نسلی ، لسانی اور مذہبی تقسیم نے مکمل

Marfat.com

انتشار کا شکار بنا رکھا ہے ، ہر چند کہ بعض مسلم ممالک کے پاس تیل کے قیمتی ذخائر ہیں لیکن باہیں ہمہ باقی مسلم بلاک غربت ، جہالت اور بیماری کی پوٹ بنا ہوا ہے ، ان کی بڑھتی ہوئی آبادی بذات خود ان کے لئے ایک روگ ہے یہ بلاک اور اس میں شامل تمام ممالک خود ابھی امداد کے مستحق ہیں ، وہ دنیا کو قیادت کہاں سے فراہم کریں گے ؟ کتاب میں مختلف ممالک پر کیا گیا تبصرہ ایک حد تک درست اور امر واقعہ کے قریب ہے مگر اسے سربسر مبنی بر حقیقت نہیں کہا جا سکتا ، اس لئے کہ اگر اسی طرح امریکہ کے موجودہ کردار کا دو حرفی جائزہ لیا جائے تو عالمی قیادت کے معیار پر وہ بھی پورا نہیں اترتا ،مثلاً جاپان اس لئے عالمی لیڈر نہیں بن سکتا اور باقی ممالک اس لئے اسے اپنا قائد نہیں بنا سکتے کہ اس کا ماضی سامراجی ذہنیت کا حامل رہا ہے تو آج امریکہ سب سے بڑا اور خوفناک سامراجی ملک ہے اس کو کس طرح دنیا برضاو رغبت اپنا لیڈر مان سکتی ہے ؟

جرمنی اپنے جنگجویانہ ماضی کی بناء پر عالمی قیادت کے لئے نااہل ٹھہرتا ہے تو امریکہ گلف وار کے بعد کس منہ سے اپنے جنگجویانہ حال سے انکار کر سکتا ہے ؟اور دنیا کیونکر اسے قیادت سونپے گی ؟

چین میں اگر انسانی حقوق اور جمہوریت کا ریکارڈ خراب ہے اس لئے وہ عالمی قائد تسلیم نہیں کیا جا سکتا تو امریکہ کی تیسری دنیا میں موقع بے موقع دخل اندازی ، یو این او کا استحصال ، مختلف اہم ایشوز پر اس کا ڈبل سٹینڈرڈ اور مجموعی طور پر اس کا تھانیدارانہ مزاج بھی اس کی عالمی قیادت کی راہ میں سب سے بڑا روڑا ہے۔

دراصل رچرڈ نکسن نے باقی ممالک کے لئے تو کچھ اخلاقی ، اقتصادی اور جمہوری معیار وضع کئے ہیں لیکن جب وہ امریکہ کو عالمی قیادت کا سب سے بڑا ، موثر ، جائز اور موزوں امیدوار قرار دیتے ہیں تو اس کے لئے کوئی اخلاقی ضابطہ اور جمہوری رویہ دلیل کے طور پر سامنے نہیں لاتے بلکہ یک بیک وہ ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ کے قدیم جاہلی اصول ، اور عہد تاریک کے پامال معیار کو دنیا کے سامنے رکھتے ہیں ، چونکہ امریکہ اس وقت اپنے سازشی کردار اور سامراجی سٹائل

Marfat.com

اور دنیا بھر کے معاشی استحصال کی بدولت اقوام عالم کے ریوڑ کو اپنی لاٹھی سے ہانکنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لئے اس کا حق بنتا ہے کہ وہ چرواہا قرار پائے۔

پریذیڈنٹ نکسن اپنے استدلال میں امریکہ کو جائز عالمی قائد کے طور پر منوانا چاہتے ہیں اگر تو وہ امر واقعہ کے طور پر یہ استدلال پیش کریں کہ وائٹ ہاوس ، پنٹیگان ، سی آئی اے اور اس طرح کے دوسرے اداروں کی سازش اور طاقت کے بل بوتے پر امریکہ اس مقام پر فائز ہے کہ ہر قوم خواہی نخواہی اپنا گلہ اس کی چھری کے نیچے رکھنے کو تیار ہے اس لئے وہی ورلڈ لیڈر بن سکتا ہے تو یہ الگ بحث ہوتی ہے ، لیکن جب عالمی قیادت کے جواز اور خیر و شر کے معیار کا مسئلہ سامنے آئے گا تو امریکہ کسی طور اس منصب کا اہل اور حقدار نہیں اور کوئی قوم اور ملک اسے یہ رول سونپنے کو تیار نہیں۔

کسی چیز کا فی الواقع موجود ہونا اور بات ہے اور اس کا مطلوب اور محمود ہونا بالکل دوسری بات!

ہیروشیما اور ناگاساکی سے لے کر خلیجی جنگ تک کا ایک ایک مرحلہ امریکہ کی عالمی قیادت کے جواز کے خلاف تو جا سکتا ہے اس کے حق میں قطعاً نہیں۔

نکسن چونکہ امریکی باشندے ہیں ، وہ امریکہ کے صدر رہ چکے ہیں فطری طور پر ہر شخص بلخ بخارے کے مقابلے میں اپنے "چھجو کے چوبارے" کو ہر موقع پر ترجیح دیتا ہے ، اس لئے نکسن بھی اپنے ملک کو دنیا بھر کے تمام ممالک سے اچھا اور اونچا سمجھنے میں حق بجانب ہیں اور قریب قریب ہر امریکی باشندہ اس طرح کے خواب سوتے میں نہیں جاگتے ہوئے بھی ضرور دیکھتا ہو گا اور اسے ایسے خواب دیکھنے کا حق ہے لیکن ضروری نہیں کہ کسی کے خواب کو دنیا حقیقت سمجھے ، ہمارے نزدیک عالمی قیادت کا ایک کم سے کم متنازعہ (اگر مسلمہ اور متفقہ نہ سہی) معیار مقرر ہونا چاہیے اور اس معیار کی پشت پر یقیناً دنیا کی وہ ضروریات ہوں گی جو اس وقت ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کو لاحق ہوتی ہیں جن سے کسی کو مفر نہیں امن اس وقت پوری دنیا کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

استحکام ہر قوم کو مطلوب ہے۔
خوشحالی بالخصوص ترقی پذیر اقوام کی آرزو ہے۔
آزادی کی ضمانت ہر خطے کی بنیادی خواہش ہے۔
ہمہ قسمی تعصبات کا خاتمہ ترجیحی ضروریات میں سے ہے۔
تکنیکی ترقی ہر ایک کا بنیادی حق ہے۔
معاشی خودکفالت یہ خواب دنیا کا ہر باشندہ سوتے جاگتے دیکھتا ہے۔

ان حوالوں سے دیکھا جائے تو کیا امریکہ کا ماضی اور حال اس معیار پر پورا اترتا ہے کہ اقوام مشرق و مغرب اسے اپنا امام اور قائد تسلیم کر لیں ؟ جواب صریحاً نفی میں ہے۔

پریذیڈنٹ نکسن نے بھی اس طرح کا کوئی معیار قائم کیے بغیر امریکہ کو بلاچون و چرا قائد تسلیم کر لینے کی تجویز پیش کی ہے اور ان کی تحریر میں امریکہ کی دو خوبیاں اسے عالمی قیادت کا سزاوار ٹھہراتی ہیں۔

۱۔ عسکری طاقت
۲۔ معاشی بالادستی۔

ہمارے نزدیک بلکہ کسی انصاف پرور اور عدل پرست فرد اور معاشرے کے نزدیک یہ دونوں معیار قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے ، اور نہ ان کے لئے کوئی جواز اور تقدس ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔

یہ تو بہت پرانا فارمولا ہے کہ گاوں کا چودھری چونکہ مربعوں کا مالک اور ڈھیر سارے مزارعوں کا سربراہ ہوتا ہے اس لئے معاشی اور افرادی قوت کے بل بوتے پر وہ خودبخود چودھری بن بیٹھتا ہے ، خواہ پورا گاوں اپنے دل میں اس کے لئے حقارت اور نفرت کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے ہو۔

اگر معیار یہی ہے تو امریکہ کے "عالمی قائد" ہونے یا بننے کا جواز ڈھونڈھنے اور تجزیے پیش کرنے اور رائے عامہ بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو بنا بنایا قائد ہے اور مجبور ، مظلوم اور مقہور اقوام اسے تقدیر اور تاریخ کا جبر سمجھ کر قبول کئے بیٹھی ہیں ، مزید ان سے انگوٹھا لگوانے کا تکلف چہ معنی دارد؟

Marfat.com

آج تک دنیا نے امریکہ کا جو چہرہ دیکھا ، اس کا رویہ سمجھا ، اس کا اخلاق آزمایا اور اس کا تجربہ کیا ہے وہ بہت مکروہ ، خوفناک ، نفرت آگیں اور تلخ ہے۔

دنیا ہمیشہ دو ہی مرحلوں میں رہتی ہے امن یا جنگ کا مرحلہ!

امن ہو تو امریکہ ہر جگہ سازش کا جال بچھائے رکھتا ہے اور جنگ ہو تو انسانی بستیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے ، یہ دونوں رویے کسی سوسائٹی میں نارمل شمار نہیں ہوتے اور نہ ہی تہذیب اور اخلاق کی دنیا میں انہیں معقول سمجھا گیا ہے ، ظاہر ہے دنیا کا قائد ایک نارمل اور معقول قوم اور ملک کو ہونا چاہیے تاکہ اس کا نارمل رویہ دنیا کو امن دے سکے اور معقولیت پسندی اقوام عالم کو جنگ کے شعلوں سے بچا سکے ، عالمی نقشے پر موجود تقریباً ہر ملک نے امریکہ کے کردار کو کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مجموعی طور پر امریکی چہرے کے خدوخال یہ بنتے ہیں۔

۱۔ امریکہ ہر چھوٹے بڑے ، امیر اور غریب ، حلیف اور حریف ملک میں برابر سازش سے کام لیتا رہا ہے۔

۲۔ تیسری دنیا کے سیاسی اور دفاعی معاملات میں مداخلت امریکہ کا معمول رہا ہے۔

۳۔ بالادستی کی خواہش کو امریکہ کبھی بھی چھپا نہیں سکا ، اور اس کے لئے کوئی موقع اس نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا خواہ اس کے لئے دوسرے ملک کے اقتدار اعلی کو کیوں نہ چیلنج کرنا پڑے اور تمام جمہوری قدروں کو پامال نہ کرنا پڑے امریکہ نے ہر جگہ ایسا کیا ہے۔

۴۔ دوچار نہیں بلکہ ہر مسئلے میں امریکہ نے دوہرا معیار اپنایا ہے ، مسئلہ کشمیر ہو یا فلسطین ، ایٹمی ٹیکنالوجی کا معاملہ ہو یا یو این او کی کسی قرارداد کا ، ڈبل سٹینڈرڈ امریکہ کا "نیشنل کریکٹر" بن چکا ہے۔

۵۔ اپنے حلیف ممالک کے ساتھ امریکہ کا رویہ اعزاز و استقلال کا نہیں بلکہ ہمیشہ معاشی استحصال کا رہا ہے جو متعلقہ ملک کی سیاسی خودمختاری ، عزت نفس اور ترقی کی خواہش کا ہمیشہ گلا گھونٹتا رہا ہے۔

۶۔ بعض جعلی ایشوز کے حوالے سے منفی پراپیگنڈہ کی بے رحمانہ مہم بھی امریکہ کا من پسند مشغلہ ہے۔

Marfat.com

ان حربوں کا شکار کبھی کیوبا ہوا ، کبھی سوڈان زد میں آیا ، کبھی مصر کی درگت بنائی گئی ، کبھی عراق اڑنگے پر رہا ، کبھی ایران سانگ پر چڑھا ، کبھی پاکستان نشانہ بنا ، کبھی نکاراگوا کی شامت آئی ، کبھی پانامہ کرفت میں آیا ، کبھی ویت نام کو پھانسا گیا اور کبھی ترکی مشق ستم ٹھہرا ۔ غرضیکہ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جو امریکہ کی سازش ، مداخلت ، بالادستی کی خواہش ، دوہرے معیار ، معاشی استحصال اور منفی پراپیگنڈہ کے حملے سے بچ نکلا ہو ۔

کسی زمانے میں مسلمانوں کو دنیا کی امامت کا شرف حاصل رہا ہے ۔ اور تاریخ کے مستند ابواب اس امر کے گواہ ہیں کہ مسلمان جہاں کہیں گئے ۔ یورپ ہو ، افریقہ ہو یا ایشیا ، کالی اقوام ہوں یا گوری ۔ مراکو کے صحراہوں یا شرق الہند کے جزائر ، ہر جگہ انہوں نے تہذیب ، اخلاق ، اخوت ، مساوات ، رواداری اور وسعت فکر و نظر کی داستانیں رقم کی ہیں ، وہ اپنے دامن میں مکر ، حیلہ ، سازش ، تباہی ، تعصب ، دوہرا معیار اور بالادستی کا اندھا شوق لے کر نہیں گئے بلکہ وہ اپنے ساتھ توہمات سے پاک اور عقل و فکر پر مبنی ایک سادہ اور قابل عمل دین لے کر گئے ، جہالت کی وادیوں میں اترے اور انہیں علم کا گہوارہ بنا دیا ، پر تکلف ماحول میں سادہ تہذیب کو رواج دیا تاکہ ہر شخص کمتری اور برتری کے احساس سے بالاتر ہو کر زندگی گزار سکے اور اس کے لئے زندگی کی ضروریات اور آسائشوں کی فراہمی عذاب نہ بن جائے ۔

کالے اور گورے ، عربی اور عجمی ، یورپی اور ایشیائی ، مقامی اور غیر مقامی کی سوچ اور تفریق سے پاک الخلق عیال اللہ (مخلوق خدا کا کنبہ ہے) کا عالمی تصور لوگوں کو عطا کیا تاکہ لوگ خدا کی زمین پر خدا کے بندوں کی طرح جینے کا ڈھنگ اپنا سکیں ۔

مسلمانوں کے قدم جہاں بھی پہنچے وہاں کی مٹی میں گڑ گئے ، ایک خاص قسم کے احساس تفاخر نے چھوا تک نہیں ، اس لئے وہ کہیں بھی اجنبی اور بالادست بن کر نہیں بلکہ وہاں کی مقامی آبادیوں کا جزو لاینفک بن کر رہے اور وہاں کے ہر اچھے رواج ، ہر معقول رسم اور ہر مہذب طریقے کو اپنے اندر جذب کر لیا ، انہوں نے اپنے اور مقامی لوگوں کے

Marfat.com

لئے الگ سے قوانین وضع نہیں کئے ، جداگانہ رہائشیں نہیں بنوائیں ، علیحدہ کلب تشکیل نہیں دیئے ، اور لوکلز کو غلام کا درجہ نہیں دیا۔
مسلمان روئے زمین پر تعصب کے بجائے تقرب کے ذرائع ڈھونڈتے رہے ، وطنیت ، علاقائیت اور مقامیت کے چکر میں نہیں پڑے بلکہ اہلیت کے آفاقی اصول پر کاربند رہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں ہی میں خاندانِ غلاماں کی ایک باقاعدہ حکومت قائم ہوئی اور لوگوں نے خوشدلی سے اس حکومت کو تسلیم کیا ، شہاب الدین غوری ، قطب الدین ایبک ، غیاث الدین بلبن ، شمس الدین التمش ، اور رضیہ سلطانہ وغیرہ ایسے سلاطین اس عہد کی روشن یادگاریں ہیں ۔
جبکہ مسلمانوں کے عروج کا وہ دور ، ایٹم ، کمپیوٹر اور کمیونیکیشن کا دور نہیں تھا ، اس زمانے میں ابھی آفاقیت ، بین الاقوامیت ، اقوام متحدہ ، عالمی عدالت انصاف ، جنیوا کنونشن ، وغیرہ قسم کے الفاظ اور ادارے وجود میں نہیں آئے تھے ، بایں ہمہ انہوں نے اس پیریڈ میں وہ کچھ کر دکھایا جو آج تسخیر آفاق کے عہد میں نہیں ہو رہا ، اس کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ ترکی ایک عرصے سے ایشیا سے کٹ کر یورپ سے جڑنے کی فکر میں ہے اور وہ اس خوش فہمی میں ہے کہ ایشیا تاریک فکر ، تنگ نظر ، جاہل ، بیمار ، غریب ، مقروض اور بدو تہذیب کا حامل ہے جبکہ یورپ روشن خیال ، وسیع النظر ، علم آشنا ، صحتمند ، خوشحال ، خودکفیل اور انتہائی لبرل اور مہذب ہے ، لیکن یورپ نے چند دن پہلے ترکی کی اس خوش فہمی کے غبارے سے ہوا نکال دی ہے کہ ترکی کو یورپی برادری کا رکن اس لئے نہیں بایا جا سکتا کہ وہ مسلمان ہے ، یورپی برادری میں صرف عیسائی حصہ دار بن سکتے ہیں ، یہ رہا آج کی "روشن خیالی" کا نادر اور نایاب نمونہ!
رچرڈ نکسن نے عالمی قیادت کے حصول کے لئے متوقع امیدواروں میں سے مسلم بلاک کو بطور خاص اپنا ہدف بنایا ہے اور ساتھ ہی اپنے تجزیے میں اس بلاک کو "اندورنی عوارض میں مبتلا" مختلف تفریقات کا شکار "جاہل" "غریب" "بیمار" اور "مقروض" ظاہر کیا ہے ۔

Marfat.com

موجودہ صورت حال میں ان کا یہ تبصرہ ہمارے لئے تکلیف دہ تو ہے لیکن سچی بات ہے خلاف واقعہ ہرگز نہیں البتہ مسلم بلاک کے اندرونی عوارض ، انتشار ، جہالت ، غربت ، بیماری اور قرض کا ذمہ دار صرف اور صرف "امریکہ بہادر" ہے۔

ہمیں اس سے قطعاً اتفاق نہیں کہ مسلمان آبادی جاہل ، بیمار ، کاہل ، بے کار اور انتشار کا شکار ہے ، یہ سب کیا دھرا ان حکمرانوں کا ہے جو امریکہ کے "ٹول" کے طور پر کام کرتے ہیں ، اور امریکہ انہیں اپنے متذکرہ صدر ہتھکنڈوں کے ذریعے اس منصب تک لاتا ہے جس میں عامۃ المسلمین کی منشا اور پسند قطعاً شامل نہیں ہوتی ، عام مسلمان اگر آزادانہ رائے سے کسی کو اپنا امیر ، صدر یا وزیراعظم منتخب کریں تو امریکہ اپنے تمام وسائل اور لاؤ لشکر کے ساتھ اس سارے نقشے کو بدل کر رکھ دیتا ہے خواہ اسے اپنے منہ سے جمہوریت کا ماسک اتارنا ہی کیوں نہ پڑے جیسا کہ حال ہی میں الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کے ساتھ ہوا ہے۔

امریکہ مارشل لاء کی کوکھ سے "جمہوری بچہ" اور جمہوریت کے "انڈے" سے فوجی انقلاب جنم دینے کی مہارت تامہ رکھتا ہے ۔ اور اسی ڈبل سٹینڈرڈ نے ایک دنیا کو کنفیوژن کا مریض بنا رکھا ہے۔

ایک دور گزرا ہے جب دنیا میں عیسائیوں کی چار مہذب سلطنتیں موجود تھیں ، لیکن ان کا علمی حدود اربعہ قطعاً قابل رشک نہیں تھا اس کے مقابلے میں مسلمان حکومتیں نہیں محض مسلمان افراد ان مہذب سلطنتوں کے مقابلے میں زیادہ وقیع اور قابل قدر علمی کام کر رہے تھے ، مثلاً روم کے اہل قلم نے اپنے آغاز سے زوال تک بارہ صدیوں میں صرف ساٹھ کتابیں لکھیں ، اسی طرح جرمنی میں محض پچاس ، برطانیہ میں چالیس اور فرانس میں فقط پندرہ کتابیں رقم ہوئیں ، اور ادھر مسلمان سوسائٹی میں اکیلے امام غزالی ؒ نے دو صد تصانیف یادگار چھوڑیں ، ابن العربی ؒ ڈھائی سو کتابوں کے مصنف ٹھہرے ، ابن تیمیہ ؒ نے پانچ سو چالیس چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں ، اور امام سیوطی ؒ کے قلم سے لگ بھگ پندرہ سو تصانیف نکلیں۔

Marfat.com

اور آج بھی مسلمان اپنے ہنر ، فن ، اعلیٰ دماغی صلاحیت ٹیکنیکل ذہن اور دوسری ابلیتوں میں ممتاز مقام کے حامل ہیں ، ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہمارے اس دعوے کی زندہ جاوید اور انتہائی تابناک مثال ہیں ، ہمیں اعتراف ہے کہ مسلم بلاک نکسن کے بقول بہت سے عوارض کی پوٹ بنا ہوا ہے ۔

جاپان اپنے سابقہ سامراجی کردار کے باعث دنیا کو ناپسند ہے ، جرمنی جنگجویانہ ماضی کا حامل ہے ، روس ڈھیر ہو چکا ہے ، چین غیر جمہوری طرز عمل کے باعث عالمی قیادت کے لئے نااہل ہے لیکن اس تجزیے اور تبصرے سے اتفاق کے باوجود یہ نتیجہ قطعاً برآمد نہیں ہوتا کہ اس میدان کا واحد چیمپئن ''امریکہ'' رہ گیا ہے ، یہ ساری خرابیاں جمع کر کے ان کو دس سے ضرب دی جائے تو ان کا حاصل ''امریکہ'' بنتا ہے ، دنیا کے ہر ملک کا ایک نہ ایک پہلو ضرور روشن اور امید افزا ہو گا لیکن امریکہ تو تاریکی کی وہ سرنگ ہے کہ سورج اپنا مدار چھوڑ کر اس سرنگ کو اپنا مطلع بنا لے تو بھی امریکہ کے باطن اور اس کے نظام کی تاریکی ختم نہیں ہو سکے گی اور اس سے خوش امیدی ایک آرزوئے لاحاصل اور فعل عبث ہے ، ایسے میں مخاطب خصوصی مسلمان ہیں ، کہ وہ امریکیوں کی نفرت آمیز نگاہوں کی پتلیاں پتھر کی بنا دیں اور خود کو میدان عمل کا ہیرو بنا ڈالیں ، وہ نکسن کے حقارت آمیز طعنوں کا جواب اس طور دیں کہ نیو ورلڈ آرڈر کے جواب میں اسلامک ورلڈ آرڈر پیش کریں اور وہ اس کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس خدائی نظام ، تعصب سے پاک تہذیب ، بے آمیز وحی ، روشن ماضی ، علمی حوالہ اور الخلق عیال اللہ کا عالمی تصور موجود ہے ، مسلم بلاک جی کڑا کر کے کروٹ لے ہمت کر کے آگے بڑھے ، اپنے وسائل کو اپنی دسترس میں رکھ کر اقدام کرے اور امریکہ کی بالادستی کی خواہش کو رد اور عالمی قیادت کے خواب کو چکنا چور کر دے ۔

؎ ہمت مرداں ، مدد خدا!

❁❁❁

Marfat.com

اسلامک ورلڈ آرڈر--بنیادی خدوخال

☼

اسلامک ورلڈ آرڈر میں ایک واضح نقشہ دیا جائے کہ مسلمان ممالک اپنی کامن ویلتھ قائم کریں اور زیادہ سے زیادہ رقوم و وسائل اس کے حوالے سے زیرگردش رہیں ' اس سے غریب یا ترقی پذیر مسلم ممالک کو اپنی مشکلات پر قابو پانے اور اپنے ترقیاتی منصوبے کامیاب کرنے میں حد درجہ مدد ملے گی۔

Marfat.com

Marfat.com

امریکی صدر کی طرف سے کچھ عرصہ قبل ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ۔ خلیج کی جنگ کے پس منظر میں اس اصطلاح نے ایک پراسرار اور معنی خیز شکل اختیار کر لی ، اس سلسلے میں امریکہ کی قومی سلامتی کونسل نے ایک رپورٹ بھی پیش کی جس کا خلاصہ وائس آف امریکہ نے نشر کیا اور اس کے بنیادی خدوخال دنیا کے سامنے آئے ، اگرچہ اس پر بحث کا باقاعدہ آغاز نہیں ہوا ورنہ اس کے اندرونی گوشے زیادہ وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے آ جاتے ، تاہم اسی دوران پاکستان کے صدر نے دورۂ ایران کے موقع پر نیو ورلڈ آرڈر کے مدمقابل ''اسلامک یا مسلم ورلڈ آرڈر'' کی اصطلاح استعمال کی اور ساتھ ہی اسلامک ورلڈ آرڈر کے لئے رسول اکرم ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع کو بنیادی خاکہ قرار دیا ، تاہم کوئی تفصیل سامنے نہیں آئی۔

نیو ورلڈ آرڈر کے سلسلے میں جو رپورٹ ملخص ہو کر پریس کے ذریعے سامنے آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روس کی اندرونی شکست و ریخت اور کمیونزم کے کریاکرم کے بعد اور خلیج میں امریکہ کی کامیاب یلغار کے سبب امریکہ چاہتا ہے کہ دنیا کا نقشہ نئے سرے سے ترتیب پائے اور وہ ہر جگہ اپنے لئے ایک خاص کردار متعین کرے جس طرح اشتمال اراضی ہوتی ہے اور زمینوں کی نئے سرے سے تقسیم اور ترتیب ہوتی ہے اسی طرح امریکہ اشتمال دنیا کا ارادہ رکھتا ہے اور صرف جغرافیائی اشتمال ہی نہیں بلکہ فکری ، سیاسی ، تہذیبی ، معاشی اور عسکری حوالوں سے وہ دنیا کو از سر نو منظم اور متشکل کرنا چاہتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق امریکہ اسلحے کی فروخت اور ترسیل نئی شرائط اور نئے انداز کے ساتھ کرنا چاہتا ہے ، اپنے حلیف اور دوست ممالک کے گریڈ اونچے اور کم کرنا چاہتا ہے ، بعض حکمرانوں کو پردۂ اقتدار سے ہٹانا چاہتا ہے ، اسلامی تحریکوں کے بارے میں اپنا رویہ نئے سرے سے تشکیل دینا چاہتا ہے ، عرب ممالک ، اور غیر عرب مسلم ممالک کو نئی پالیسیاں دینا چاہتا ہے ، یورپ کے ساتھ معاملہ بھی نئے تقاضوں کے

Marfat.com

مطابق کرنا چاہتا ہے ، کمیونزم کے بعد اب وہ اسلام کو اپنا حریف سمجھتا اور اس کا توڑ کرنا چاہتا ہے ، تیل کی دولت پر اپنے شکنجے مزید کسنا چاہتا ہے ، فلسطین کے بارے میں اپنی نئی پالیسی دینا چاہتا ہے ، خلیج کے نگہبانی کے لئے کچھ اور فورسز تعینات کرنا چاہتا ہے الغرض ایک پورا تانا بانا ہے جو تیار کیا گیا ہے اور امریکہ پوری دنیا کو اس میں الجھا کر خود "مقتدر مطلق" کے منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے دنیا کا جوار بھاٹا اور بنتے بگڑتے دائرے یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسی فکری قوت ، اور نظریاتی طاقت ہے جو امریکہ کی راہ میں مزاحم ہو سکتی ہے یہ سارا پلان صرف ایک نکتے پر مرتکز ہے کہ کمیونزم کی ناکامی کے بعد کہیں اسلام امریکہ کے لئے دردسر نہ بن جائے اور پھر اسے ستر سال کے لئے جدوجہد نہ کرنی پڑ جائے ، اس حوالے سے صدر پاکستان نے اچھے موقع پر اچھی بات کی ہے اور اچھی سرزمین (ایران) پر کی ہے جو سرزمین لاشرقیہ لاغربیہ کے نعروں سے گونجتی اور امریکہ پر دن رات میں ہزار بار لعنت بھیجتی ہے ، کوئی دوسرا ملک شاید ہی امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے مقابلہ میں اسلامک ورلڈ آرڈر کی بات کرنے کی اجازت دیتا یا اسے پسند کرتا۔

اب اہل علم و دانش اور نظریاتی کارکنوں اور اہل قلم کا فرض ہے کہ وہ اسلامک ورلڈ آرڈر کی تفصیلات دنیا کے سامنے پیش کریں اور تجاویز مرتب کر کے تجزیے کے لئے دنیا کے سامنے رکھیں۔

اس سلسلے میں امریکہ نے جو اسلام اور مسلم ممالک کے ساتھ تعصب کا رویہ اختیار کیا ہے ہم ویسا رویہ تو نہ اپنائیں البتہ حق کے معیار کو کسی مرعوبیت اور مصلحت کا شکار نہ ہونے دیں اور اپنے نقطہ نظر کا ٹھیک ٹھیک اظہار کریں اس ضمن میں جو خاکہ بنتا ہے اور اسلامک ورلڈ آرڈر کا مفہوم واضح ہوتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ اسلام اور اہل اسلام کے نزدیک یورپ اور ایشیا ، عرب اور افریقہ ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کا کوئی تصور نہیں بلکہ اسلام شروع دن سے ایک عالمی ریاست کا نظریہ رکھتا ہے ، اسلام نسلوں ، قوموں اور خطوں کے مقابلے میں عقیدۂ توحید کو عالمی ریاست کا سنگ بنیاد

Marfat.com

قرار دیتا ہے اور وہ بنی نوع انسان کو صرف اور صرف تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم کی دعوت دیتا ہے یعنی آؤ ہم اور آپ اس کلمہ پر متحد ہو جائیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان قدر مشترک کا درجہ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں ' اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامک ورلڈ آرڈر کسی سے دشمنی اور مخاصمت پر اپنی بنیاد نہیں رکھتا بلکہ وہ سب کا حلیف ہے اور پوری انسانیت کے ساتھ عقیدۂ توحید کی بناء پر دوستی اور بھائی چارے کا حامی ہے اسلامک ورلڈ آرڈر کی پہلی شق ہی اپنے اندر عالمگیری اخوت اور بین الانسانی دوستی کا مفہوم رکھتی ہے اسلام کسی کا حریف نہیں بلکہ سب کا حلیف ہے بشرطیکہ پیش نظر انسانیت کی فلاح کا منصوبہ ہو ' اور مدمقابل فورسز کو اپنی غلط فہمی دور کر دینی چاہیئے اگر کوئی اسے اپنا حریف سمجھ کر دبانے کی کوشش یا سازش کرے گا تو پھر اسلام اپنے پاس اپنا فلسفہ اور ایک پورا نظام رکھتا ہے جسے وہ انسانی بھلائی کے لئے بروئے کار لانا چاہتا ہے اس کے نزدیک خدا کے بعد مخلوق خدا کی خدمت اولین ترجیح ہے اور انسانیت کی دشمن قوتوں کو وہ دنیا میں آزاد اور کھلا نہیں چھوڑنا چاہتا کہ وہ بروبحر میں فساد کی سکیمیں تیار کرتے رہیں۔

۲۔ اسلام ' حق اور ناحق کا واضح اور متعین معیار رکھتا ہے اسلامک ورلڈ آرڈر میں بھی اس کی صراحت ہونی چاہیئے دوغلا پن ' دوہرا معیار ' منافقت ' سازش ' اور فریب کا اسلامی اقدار و اصول میں کوئی گذر نہیں ' اسلامک ورلڈ آرڈر میں ظالم اور مظلوم کی واضح تقسیم ہے ' ظلم اور زیادتی جہاں ہو اسلام اس کا مخالف ہے اور اس ضمن میں کسی مذہب ' نسل ' رنگ اور علاقے کا امتیاز نہیں رکھتا اس کی پالیسیاں انسانی مفاد پر استوار ہیں نہ کہ نسلی ' لسانی اور علاقائی مفاد پر! اسلامک ورلڈ آرڈر میں واضح کیا جائے کہ جنوبی افریقہ ' فلسطین ' افغانستان اور کشمیر میں ایک اصول کو قائم کیا جائے جہاں ظلم ہو رہا ہے اس کے خلاف مزاحمت کی جائے خواہ وہ سیاسی ہو ' یا عسکری ' ان کے لئے الگ الگ اصول اور معیار نہ بنائے جائیں۔

Marfat.com

۳۔ اسلامک ورلڈ آرڈر میں یہودیوں کے بارے میں دو ٹوک اور غیر مبہم بات کی جائے کیون کہ یہودی نسل محض اسلام کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی دشمن ہے جس کے لگائے گئے زخموں ' اور بچھائی ہوئی سازش کی بساط سے ہر ملک کا انسان کراہ رہا ہے اور خود خالق کائنات نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ یہود کبھی اسلام اور اہل اسلام کے دوست نہیں ہو سکتے ' مسلم ممالک کو اپنی خارجہ پالیسی بناتے وقت قرآن حکیم کے اس مستقل اور دائمی اصول اور تجزیے کو پیش نظر رکھ کر یہود اور یہود نواز طاقتوں کے بارے میں لائحہ عمل وضع کرنا چاہیئے۔

۴۔ اسلامک ورلڈ آرڈر کا تفصیلی نقشہ تیار کرتے وقت عالم اسلام کے رہنماؤں کو اپنے تشخص اور بنیادی امتیاز کو بہت زیادہ واضح کرنا چاہیئے ' فکری و علمی سطح پر کام کرتے وقت اسلام کے بنیادی مآخذ کی روشنی میں اپنا علم الاصطلاح وضع کرنا چاہیئے خواہ وہ مغرب کو پسند آئے یا گراں گزرے ' سارا یورپ مل کر بھی ہمیں "بنیاد پرست" کا طعنہ دے ہمیں اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر خود کو "بنیاد پرست" کہنا چاہیئے ' آخر بنیاد کے بغیر دنیا کی کون سی عمارت قائم ہے جو نظریات بغیر بنیاد کے مستحکم ہو سکیں گے؟ اللہ اور رسول ؐ کا فرمایا مستند اور حرف آخر ہے اہل دنیا تو صبح و شام اپنے اصول و اقدار بدلتے رہتے ہیں ان کا زشت و خوب کا کوئی واضح اور متعین نظام نہیں ' اسلام کی تعبیر پیغمبر اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ہو نا کہ مغرب کی ترجیحات کے زیر اثر ' اس سے مسلم دنیا کا تشخص اجاگر ہو گا اور تشخص ہی کسی قوم کی سربلندی و سرفرازی کا ضامن ہوتا ہے۔

۵۔ اسلامک ورلڈ آرڈر میں اس تجویز کو خصوصی اہمیت دی جائے کہ مختلف مسلم ممالک اپنی جغرافیائی حدبندیوں میں نرمی پیدا کریں ' مناسب تحفظات اور احتیاط کے ساتھ یہ نرمی برادر مسلم عوام کے درمیان اخوت اور قربت کی راہ کھولے گی امریکہ نے اپنے نیو ورلڈ آرڈر میں یہ تجویز کیا ہے کہ عرب ممالک میں مسلمان لیبر کے بجائے

Marfat.com

غیر مسلم ممالک مثلاً فلپائن سے افرادی قوت کھپائی جائے اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہاں فحاشی پھیلے ، غیر مسلم افراد وہاں کی کمزوریوں سے آگاہ ہو سکیں ، وقت آنے پر ان کو واپس بلایا جا سکے اور افرادی قوت کی کمی کا بحران پیدا کیا جا سکے ، یا پھر مسلم اور غیر مسلم افراد کے آزادانہ اختلاط سے مسلم تشخص مدہم ہو اور اس سلسلے میں ضروری ہے کہ مسلم ممالک ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قربت ، نرمی اور تعاون کا معاملہ کریں اور سرحدوں پر عائد ناروا پابندیاں اور سفارتی رکاوٹیں موزوں حد تک نرم کر دیں تاکہ مسلمان ایک دوسرے کا دست و بازو بن سکیں اور مسلم ممالک کے راز بھی محفوظ رہیں۔

٦۔ اسلامی دنیا جو خام مال کے اعتبار سے کافی دولتمند اور باوسائل ہے اسے اس کا احساس کرنا چاہیئے اسلامک ورلڈ آرڈر میں ایسی پالیسیاں تجویز کی جائیں کہ مسلم ممالک خام مال اپنی طرف سے طے شدہ قیمت پر غیر مسلم دنیا کو فروخت کریں اور ان سے تیار ہونے والا مال اپنی مرضی کے مطابق لیں ، نہ یہ کہ یورپ اور امریکہ ہم سے خام مواد بھی اپنی مرضی کی قیمت سے لیں اور تیار مال بھی اپنی مرضی کی قیمت سے بیچیں۔

٧۔ اسلامک ورلڈ آرڈر میں ایک واضح نقشہ دیا جائے کہ مسلمان ممالک اپنی کامن ویلتھ قائم کریں اور زیادہ سے زیادہ رقوم و وسائل اس کے حوالے سے زیرگردش رہیں ، اس سے غریب یا ترقی پذیر مسلم ممالک کو اپنی مشکلات پر قابو پانے اور اپنے ترقیاتی منصوبے کامیاب کرنے میں حد درجہ مدد ملے گی۔

٨۔ عرب لیگ ، افریقی اتحاد ، اور دیگر علاقائی تنظیموں کے مقابلہ میں مسلم مالک "اسلامی کانفرنس" کی تنظیم کو فعال اور جاندار بنائیں ، فلسطین ، افغانستان ، قبرص ، کشمیر اور دیگر مسائل کو علاقائی فورمز پر زیربحث لانے کے بجائے اسلامی کانفرنس میں لائیں تاکہ یکجہتی کا احساس نمایاں ہو ایران عراق جنگ اور گلف وار میں اسلامی کانفرنس کی کمزوری واضح شکل میں سامنے آئی ، علاقائی فورمز کے

Marfat.com

ذریعے ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ مسلم ممالک میں غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور امریکہ کو ہمارے داخلی معمالات پر کنٹرول کا زیادہ موقع میسر آیا۔

۹۔ اسلام کے تشخص کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلم دنیا میں "امہ" کا تصور اجاگر کیا جائے اور ان تمام تحریکوں سے لاتعلقی کا اعلان کیا جائے جو مسلم دنیا کے کسی بھی خطے میں رنگ، نسل، وطن اور کسی بھی جاہلی عصبیت کی بنیاد پر چل رہی ہیں، کیوں کہ خطبہ حجتہ الوداع میں ان تمام جاہلی تعصبات کی یکسر نفی کی گئی ہے۔

۱۰۔ اقوم متحدہ میں یہ اصول طے کرایا جائے کہ جس مسئلے پر تمام مسلمان ممالک کا اتفاق رائے ہو اس پر اسلامی کانفرنس یا مسلم دنیا کو "ویٹو پاور" حاصل ہونی چاہیئے، آخر کس بنیاد پر امریکہ، روس، چین اور فرانس وغیرہ کو "ویٹو پاور" حاصل ہے اور وہ جب چاہیں جنرل اسمبلی کے اجماع کو رد کر دیں اور بنا بنایا معاملہ الجھا کر رکھ دیں۔

اسلامک ورلڈ آرڈر کے حوالے سے یہ چند بنیادی اشارات ہیں ان کو ملحوظ رکھ کر تفصیلات طے کی جائیں تاکہ مسلم تشخص نمایاں ہو سکے۔

Marfat.com

اسلام میں جمہوریت کی پیوند کاری

☼

ہمیں "جمہوریت" کے لفظ سے چڑ نہیں اس کے مزاج سے اختلاف ہے کیوں کہ اس میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا اس میں اہلیت پر اکثریت کو ترجیح دی جاتی ہے ' یہاں دماغ نہیں سر دیکھے جاتے ہیں ' اس کے ہاں حلال و حرام کو انسانوں کی خواہش کے تابع کر دیا جاتا ہے ' اس کے کوئی مستقل پیمانے اور اقدار نہیں اس کا ہر پیمانہ ایک چھناکے سے ٹوٹتا اور اس کی ہر قدر دو ہاتھ کھڑے ہو جانے سے بنتی رہتی ہے ' اسلامی نظام حکومت میں اصول و اقدار کا تو یہ عالم ہے کہ نبی وقت بھی ان کی پابندی کا مکلف ہے ' جو ازلی ہیں اور ابدی ہیں اور پوری نوع انسانی مل کر کے بھی ان میں ترمیم و تنسیخ کی مجاز نہیں۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

۷۰ء کے ملحقہ برسوں میں ایک اصطلاح پر بڑی بحث اور دانہ کل کل ہوئی تھی کہ "اسلامی سوشلزم" نہایت بھونڈی اور لغو اصطلاح ہے ، اس اصطلاح کے ناقدین کی رائے تھی کہ اسلام بذات خود ایک مکمل ضابطہ حیات اور کامل دین ہے جو اپنے ساتھ کسی پیوندکاری کو برداشت نہیں کر سکتا ، اور اس کے ساتھ کسی دوسرے "ازم" یا "حوالے" کا تذکرہ بے معنی ہے ، اور بعض اوقات تو مبتذل زبان استعمال کی گئی کہ آج "اسلامی سوشلزم" ہے تو کل کو "اسلامی شراب" اور "اسلامی جواء" کی اصطلاحیں چل نکلیں گی ، لیکن "تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا" کے مصداق ایسے الزامی جواب دینے والے مذہبی رہنما اور دائیں بازو کے دانشور آج بلا تکلف "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح لکھتے ، بولتے اور استعمال کرتے نظر آ رہے ہیں اور اب اس "ویلڈنگ" اور پیوندکاری میں انہیں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ شدومد کے ساتھ اس اصطلاح کو "اسلامی نظام" یا "اسلامی انقلاب" کا مترادف المعنی قرار دینے کی سعی (اور وہ بھی نامشکور) میں مصروف ہیں۔

ع یہ انقلابات ہیں زمانے کے

اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کے جواز میں کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت کا مزاج مشورے کا ہے اور مشورہ لوگوں سے لیا جاتا ہے اور لوگوں کو ہی "جمہور" کہا جاتا ہے اور اسی سے لفظ "جمہوریت" بنا ہے تو اس اصطلاح میں آخر کیا قباحت ہے؟ اگر یہ صغریٰ کبریٰ اور منطق درست مان لی جائے تو پھر "سوشلزم" کا معنی بھی تو "اشتراکیت" ہے اور اسلامی حکومت باہمی اشتراک و تعاون سے قائم ہوتی اور چلتی ہے وہاں فرد واحد کلی اختیارات کا حامل نہیں ہوتا اور نہ ہی اسلام میں آمریت اور ملوکیت کی گنجائش ہے سو اس اعتبار سے "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح بھی درست قرار پاتی ہے۔

ہمارے خیال میں یہ دونوں مفروضے لغو اور بے سروپا ہیں ، اور

Marfat.com

یہ منطق اس قابل ہے کہ اسے اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے ، بلاشبہ اسلامی حکومت میں مشورہ اور باہمی اشتراک و تعاون کو بنیادی پتھر کی حیثیت حاصل ہے لیکن اس کی بنیاد پر مشورہ کو ''جمہوریت'' اور اشتراک و تعاون کو ''اشتراکیت'' سمجھ کر انہیں اسلام کے ساتھ نتھی کر دینا یکسر غلط سوچ ہے جمہوریت اور اشتراکیت کوئی لغوی بحث نہیں کہ اس کے مصدر اور مشتق پر کلام کیا جائے بلکہ یہ دونوں اپنے اپنے مزاج کے دو نظام ہین مستقل اور مفصل!جن کے اپنے اپنے مقتضیات اور تضمنات ہیں ان سے الگ ہو کر گفتگو کرنا محض منطقی مغالطہ ہے جس کا مقصد خودفریبی کے ساتھ ساتھ خدافریبی بھی ہے ، جمہوریت ایک طرز حکومت ہے اور سوشلزم (اشتراکیت) بھی ایک طرز معیشت و معاشرت ، جمہوریت میں انسان کو ''سرچشمہ قانون'' اور اشتراکیت میں انسان کو ''سرچشمہ رزق'' سمجھا اور بنایا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں ''انسان'' کو ''خدا'' کے منصب پر فائز کرنا ہے اور بدقسمتی سے اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا چنانچہ بحث کو ''اصول'' سے شروع کرنے کے بجائے ''فروع'' سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے جس سے ترتیب معکوس ہوتی ہے اور نتائج بھی معکوس ہی نکلتے ہیں ، اگر ہر اصطلاح اور لفظ کو لغت کے آئینے میں رکھ کر دیکھنے کی عادت اپنا لی جائے تو پورے کا پورا علم الاصطلاح بیکار ہو کر رہ جاتا ہے اور اس طرح ہر لفظ اور ہر اصطلاح اپنا حسن و قبح کھو بیٹھیں گے ، مثلاً شرک ، کفر ، ایمان ، ظلم ، عدل ، علم ، دین ، قیامت ، قانون ، منشور وغیرہ جس معنی و مفہوم کے ساتھ ازل سے آج تک رائج ہیں ان کے سمجھنے میں کسی عالم و عامی کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی اور ان کے حسن و قبح کے نئے معیار وضع کرنے کی کوئی ضرورت کسی کو نہیں پڑتی یعنی ہر شخص ''شرک'' کا لفظ بولتے اور سنتے ہی سمجھ لے گا کہ اس اصطلاح کی فلاسفی کیا ہے؟اس کی خصوصیت کیا ہے؟اس کی قباحت کیا ہے؟اس طرح دوسرے بیسیوں الفاظ و اصطلاحات اپنے معنی و مفہوم اور اطلاق و انطباق کے اعتبار سے واضح اور غیر مبہم ہیں بالفرض اگر ان الفاظ و اصطلاحات کو محض لغت کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی جائے اور ان میں نئے مفاہم داخل کرنے

Marfat.com

کی جسارت کی جائے تو نہ صرف اہل علم و خرد سرپیٹ لیں گے بلکہ خو علم و خرد بھی منہ چھپائے نظر آئیں گے کہ اگر ہمارا یہی حشر ہونا تھا تو کاش ہم صفحہ قرطاس پر شہود پذیر ہونے کی جسارت و زحمت ہی نہ کرتے ، ظاہر ہے صدیوں سے ہر اصطلاح کا ایک پس منظر چلا آ رہا ہے اور وہ پس منظر ہی اس اصطلاح کے مفہوم و مصداق کو واضح کرتا ہے سیاق و سباق کو کاٹ پھینکنے سے لفظ یا اصطلاح ویسے ہی لنڈورے ہو جاتے ہیں اور ان کا تشخص ختم ہو کر رہ جاتا ہے ، اگر یہ طریق کار اپنا لیا جائے تو نہ لفظ ''شرک'' میں کوئی قبح رہ جاتا ہے اور نہ لفظ ''دین'' میں کوئی حسن اور معنویت !شرک ، کا معنی مل جل کر رہنا بن سکتا ہے اور یہ بری بات نہیں اور دین کا معنی ''راستہ'' ہے اور اس میں کوئی معنویت اور مقصدیت نہیں رہتی ، حالانکہ یہ اسلام اور مذہب کی دو بنیادی اصطلاحیں ہیں جن کے باقاعدہ لوازم و اثرات ہیں ، چنانچہ ایسی اصطلاحات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت چونکہ ''سوشلزم'' یا ''اشتراکیت'' ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم ''اسلامی جمہوریت'' کے حوالے سے بات کریں گے۔

سبھی باخبر افراد جانتے ہیں کہ جمہوریت یا ڈیماکریسی ایک ایسی اصطلاح ہے جو صدیوں پہلے یونان میں رائج ہوئی اور پہلی شہری یا جمہوری حکومت نے وہاں سے اپنے سفر کا آغاز کیا اور یہ بات انتہائی دلچسپی کا موجب ہے کہ یونان میں ''ڈیما کریسی'' (جمہوریت) کا آغاز اور اس کا نشو و ارتقاء ، شرک ، کے تصور سے ہوا ، مسئلہ یہ تھا کہ اہل یونان کو بادشاہی جبر و استبداد سے کس طرح نجات دلائی جائے مفکروں اور فلسفیوں کو جو ترکیب سوجھی وہ نہائت دلچسپ تھی انہوں نے مذہبی حوالے سے اس فکر کو عام کیا کہ زندگی ، موت ، بارش ، قحط ، صحت ، مرض وغیرہ کے الگ الگ خدا ہیں ، اور ایک خدا دوسرے کے معاملے میں دخل نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ ایک ہی فرد اور خاندان بیک وقت کئی کیفیات سے دوچار ہے مثلاً دولت ہے تو صحت نہیں ایک ہی گھر میں جنازہ بھی پڑا ہے اور وہاں شہنائی بھی گونجتی ہے اور اس طرح ہر خدا اپنے اپنے اختیارات استعمال کر رہا ہے اور اگر سب اختیارات ایک

Marfat.com

خدا کے پاس ہوتے تو دنیا میں متضاد کیفیات رونما نہ ہوتیں ، لوگ جب آہستہ آہستہ اس منطق کے قائل ہو گئے اور دل کی گہرائیوں سے حامی بن گئے تو اب ان ارباب فکر و فلسفہ کو اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع مل گیا انہوں نے اگلے مرحلے میں عوام کو یہ بات سمجھائی کہ جب خود خدا تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں نہیں لیتا اور نظام کائنات چلانے کے لئے دوسرے خداؤں کو اختیارات تفویض کر رکھے ہیں تو یونان کا بادشاہ خدا سے زیادہ طاقتور اور بڑا تو نہیں کہ اکیلا ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ بنا ہوا ہے ، اس طرح لوگوں نے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ معاشرے میں اختیارات کی تقسیم ہونی چاہئے ، یہ ہے یونان کے "جمہوریت آشنا" ہونے کا تاریخی اور فلسفیانہ پس منظر!

صدیوں کے عمل کے بعد "ڈیما کریسی" باقاعدہ ایک طرز حکومت کہلائی جس میں جماعتوں کا قیام ، اختیارات کی تقسیم ، ووٹنگ ، حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا وجود ، اور پھر جمہوریت کی مختلف قسمیں اور شکلیں ، پارلیمانی جمہوریت ، صدارتی جمہوریت ، کنٹرولڈ ڈیما کریسی ، ڈائریکٹ ڈیما کریسی وغیرہ جود میں آئیں ، اب ہم اصل مسئلہ کو لیتے ہیں "اسلام میں جمہوریت یا اسلامی جمہوریت" جمہوریت کیا ہے؟اس کی مقبول عام تعریف کیا ہے؟اور اس کی نفسیات کیا ہے؟یہ سب کچھ اہل فکر و نظر پر واضح ہے ، جمہوریت کی سادہ ترین اور معروف ترین تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

(A System of Government of the peoples for the peoples by the peoples)

یعنی (عوام کی حکومت عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے)

جبکہ اسلامی نظام کی جامع ترین تعریف یہ ہے

(A Government of the Allah for the peoples by the Quran and Sunnah)

یعنی (خدا کی حکومت انسانوں کے لئے قرآن و سنت کے ذریعے)

Marfat.com

کسی لمبی چوڑی بحث و تمحیص کے بغیر ہر دانا بینا شخص پہلی ہی نظر میں ان دونوں تعریفوں کے درمیان جوہری فرق اور اختلاف کو دیکھ لیتا ہے اور اسے یہ فیصلہ کرنے میں دقیقہ بھر تامل نہیں ہوتا کہ "اسلام" اور "جمہوریت" دونوں نظاموں میں زبردست تضاد اور تخالف ہے جسے محض الفاظ کی بازی گری سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جبکہ اسلام اللہ تعالیٰ کی حکومت کا نام ہے ، جمہوریت میں حکومت عوام کے ذریعے بنتی ہے اور چلتی ہے جبکہ اسلام میں حکومت قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم ہوتی اور چلتی ہے ، البتہ دونوں نظام ہوتے عوام کے لئے ہیں اگر اسی قدر مشترک کو اسلام کے ساتھ جمہوریت کی پیوندکاری کا جواز بنا لیا جائے تو پھر دنیا میں رائج ہر نظام کے ساتھ پیوندکاری کے لئے کوئی نہ کوئی قدر مشترک ڈھونڈھ لینا کوئی مشکل امر نہیں ، بادشاہت ، آمریت ، اشتراکیت ، مارشل لاء ، ان میں سے ایک آدھ قدر مشترک تلاش کرنا کوئی بڑی بات نہیں ، اور "یار لوگوں" نے بھلے وقتوں میں ایسی اقدار مشترک نکالی بھی تھیں اور ایک بڑے طبقے نے انہیں سراہا بھی تھا!

عوام کی رائے کا احترام ، کاروبار حکومت میں عوام کی منشا اور رضامندی کا دخل ، داخلی و خارجی معاملات میں عوام کو اعتماد میں لے کر چلنا فرد واحد کے مقابلہ میں اجماع امت کا پاس و لحاظ اور اس طرح کے دوسرے امور یقیناً پسندیدہ اور مطلوب ہیں مگر یہ سب کچھ اسلامی نظام کا خاصہ ہیں ان کے لئے الگ سے جمہوریت کو عنوان بنانا قطعاً غیر ضروری ہے اور نہ ہی ان باتوں میں اسلام اور جمہوریت میں کوئی تفاوت اور تفریق ہے ، کسی بھی نظام میں فرق و اختلاف اس کے چند ایک جوہری اور اصولی نکات پر ہوتا ہے اور وہی نکات اس سارے نظام کا خلاصہ ہوتے ہیں۔

اسلام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔

جبکہ جمہوریت میں حاکمیت عوام کا اعلان ہوتا ہے۔

جمہوریت میں فیصلے اکثریت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

جبکہ اسلام میں فیصلے حق و باطل اور خیر و شر کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔

اسلام میں بعض احکام و امور اٹل اور قطعی ہیں۔

جبکہ جمہوریت میں ہر قانون اور ہر امر بحث طلب ہے اور کثرت و قلت کے ذریعے اس کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔

جمہوریت میں ''قطعی سند'' پارلیمنٹ ہوتی ہے۔

جبکہ اسلام میں ''فائنل اتھارٹی'' اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

جمہوری نظام کا آغاز ''زیرو پوائنٹ'' سے ہوتا ہے اس سے پہلے کوئی بات حتمی اور طے شدہ نہیں۔

جبکہ اسلام کا نظام حکومت کچھ طے شدہ اور قطعی اصولوں اور ضابطوں کے دائرہ میں رہ کر کام کرتا ہے۔

اسلام میں حلت و حرمت اکثریت و اقلیت کی پابند نہیں۔

جبکہ جمہوریت میں اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر جواز اور عدم جواز کے قوانین بنتے ہیں۔

یہ تو ہیں وہ اختلافات جو مزاجاً اسلام اور جمہوریت کو الگ الگ کر دیتے ہیں تفصیل میں جائیں تو ہر قدم ایک دوسرے کی مخالف سمت پڑتا ہے، پارلیمنٹ کی تشکیل، باقاعدہ حزب اقتدار و حزب اختلاف کا قیام، امیدواری سسٹم، ووٹروں کی اہلیت و صلاحیت، امیدواری کا معیار، نشستوں کی تقسیم، بل پیش کرنے کا طریقہ، اس کی منظوری یا عدم منظوری کا معاملہ، اعتماد کا ووٹ اور عدم اعتماد کی تحریک، حکمران کی مدت کار، اس کی معزولی کی شرائط وغیرہ یہ بے شمار چیزیں کم از کم تیسری دنیا میں اپنے ''کرشمے'' دکھا رہی ہیں اور عوام (پنجابی زبان میں) گویا ''نک نک'' آئے ہوئے ہیں۔

صاف بات ہے اگر جمہوریت سے مراد برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی جمہوریت ہے جہاں پارلیمنٹ کو ''سپریم اتھارٹی'' کا درجہ حاصل ہے اور قانون سازی میں وہ کسی پیشگی شرط یا اضافی پابندی سے بالکل بالاتر ہے وہ چاہے تو زنا، ہم جنس پرستی، شراب، جواء، ریس، سود، سٹہ، سمگلنگ، منشیات کو جائز قرار دے اس پر کوئی چیک

Marfat.com

نہیں تو ایسی جمہوریت کے بارے میں کسی ریفرنڈم کے بجائے ہر مسلمان کو اپنے ضمیر سے پوچھ لینا چاہئے کہ وہ کیا فتویٰ دیتا ہے؟اور اگر جمہوریت کا مطلب ہے قرآن و سنت کے احکام کی روشنی میں روزمرہ کی قانون سازی ، اجماع امت کے ذریعے تشکیل حکومت ، قرآن و سنت کے خلاف کسی قانون کے پاس ہونے پر پابندی ، اور پھر دوسرے معاملات کو باہمی مشورے سے چلانا ، ووٹوں کے ذریعے حکومت کا عزل و نصب اور دیگر امور!تو پھر سیدھے سبھاؤ اسلام ہی کو ایک جامع اور مکمل نظام کے طور پر تسلیم کر کے رائج و نافذ کیا جائے خواہ مخواہ ساتھ میں جمہوریت کی چپر لگانے کی کیا ضرورت ہے؟یہ سب کچھ اسلام کے اندر موجود ہے۔

ہمیں "جمہوریت" کے لفظ سے چڑ نہیں اس کے مزاج سے اختلاف ہے کیوں کہ اس میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا اس میں اہلیت پر اکثریت کو ترجیح دی جاتی ہے ، یہاں دماغ نہیں سر دیکھے جاتے ہیں ، اس کے ہاں حلال و حرام کو انسانوں کی خواہش کے تابع کر دیا جاتاہے ، اس کے کوئی مستقل پیمانے اور اقدار نہیں اس کا ہر پیمانہ ایک چھناکے سے ٹوٹتا اور اس کی ہر قدر دو ہاتھ کھڑے ہو جانے سے بنتی رہتی ہے ، اسلامی نظام حکومت میں اصول و اقدار کا تو یہ عالم ہے کہ نبی وقت ؐ بھی ان کی پابندی کا مکلف ہے ، جو ازلی ہیں اور ابدی ہیں اور پوری نوع انسانی مل کر کے بھی ان میں ترمیم و تنسیخ کی مجاز نہیں۔

اسلام فطری تبدیلی کا قائل ہے جمہوریت کے ذریعے مصنوعی تبدیلی آتی ہے ، جس سے افراد اور چہرے تو چند سال بعد بدلتے رہتے ہیں لیکن سوسائٹی کے مزاج ، طور طریق ، ذہنیت اور سیرت میں کوئی بڑا انقلاب نہیں آتا اور سب سے بڑی بات یہ کہ جمہوریت کا کام طرز حکومت سے تعلق رکھتا ہے انسان کے اخلاق و کردار کی درستی و نادرستی سے اس کو کوئی سروکار نہیں ، جبکہ اسلام فرد کی اصلاح کو اتنی ہی اہمیت دیتا ہے جتنا اجتماعی امور و معاملات کو وہ درست رکھتا ہے۔

جمہوریت کا زیادہ زور "رائے" پر رہتا ہے کہ کتنی آراء ملی ہیں

Marfat.com

حق میں یا مخالفت میں!اور اسلام "اہل الرا۔ئے" کو دیکھتا ہے اسلام میں اندھے اور نابینا ، رات اور دن ، صحیح اور غلط ، اجالے اور اندھیرے ، علم اور جہل ، نیک اور بد کے درمیان واضح تمیز کی جاتی ہے جبکہ جمہوریت میں کسی جامعہ کے استاداور ابجد ناآشنا میں کوئی فرق و امتیاز نہیں دونوں کی رائے اور تجزیہ اور خوب و زشت کی پہچان ایک برابر ہے ، اور اس کے مظاہر بالخصوص تیسری دنیا میں عام ہیں۔

ہمارے خیال میں "فیوڈل لارڈز" نے کم از کم انقلاب فرانس کے بعد جب اقتدار کی زمین اپنے پاؤں کے نیچے سے سرکتی دیکھی اور احیائے علوم کی تحریک کو آگے بڑھتے دیکھا تو اپنے وسائل اور زرخرید دانشوروں کے ذریعے اس فلسفے کو عام کرنے کی کوشش کی (جسے ہم مغربی جمہوریت کا نام دیتے ہیں)یعنی ذہن کے مقابلے میں دہن ، اہلیت کے مقابلے میں دولت اور بصیرت کے مقابل میں اکثریت کو رائج کر کے اقتدار کو اپنے ہاتھوں سے نہ نکلنے دیا جائے ، چنانچہ جو شخص یورپ کا بڑا جاگیردار تھا وہ نئی سوسائٹی میں بڑا صنعتکار بن کر ابھرا اور پورے یورپ میں صنعتوں کا جال بچھ گیا ور اسی "جال" کے ذریعے امراء عوام کو "جل" دینے میں کامیاب ہو گئے ، اور خصوصی مراعات کے ساتھ جمہوریت کو فروغ دیا جانے لگا۔

آج جسے تیسری دنیاکہا جاتا ہے وہ قریب قریب پوری کی پوری فرانس اور انگلستان کی استعماری ہوس کا نشانہ بنی ، دیگر اثرات بد کے ساتھ ساتھ جمہوریت کے جراثیم بھی ان ملکوں میں منتقل ہو گئے اور اس "مرصع اور مسجع" لفظ نے انقلاب کے ذریعے تبدیلی کو لوگوں کے لئے اجنبی بنا دیا اور ہر شخص بغیر سوچے سمجھے "جمہوریت ، جمہوریت" الاپنے لگا اور یہ گیت آج بھی اونچے سروں کے ساتھ برابر گایا جا رہا ہے ، حالانکہ ہر حقیقت پسند کو معلوم ہے کہ جمہوریت کی بانی محترمہ برطانیہ ابھی تک اپنے ذہنوں سے "بادشاہ اور ملکہ کا تقدس" ختم نہیں کر سکی ، اور ایک پورا خاندان مفت میں عیش کر رہا ہے اور کروڑوں پونڈ کے اعزازیے مل رہے ہیں آخر یہ کہاں کی جمہوریت ہے؟

جمہوریت کے بابائے اعظم امریکہ کو جمہوریت پسندی ویت نام ،

Marfat.com

کیوبا ، پانامہ اور دوسرے ممالک پر ننگی جارحیت سے نہیں روک سکی دوسروں کے لئے جمہوریت اور خود "استعمار اعظم" کا تاج سر پر سجا رکھا ہے۔

جمہوریت کی دیوی بھارت ابھی ایک "امیر خاندان" کے چنگل سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکی ، جمہوریت کے ذریعے دراصل عوام اپنے حقوق آئینی اور قانونی طور پر چند گھرانوں کے ہاتھ رہن رکھ دیتے ہیں اور یہی غالباً جمہوریت کا باجہ بجانے والوں کا اصل مقصد ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں۔

وہ حضرات بلاشبہ ہمدردی کے مستحق ہیں جو "اسلامی جمہوریت" کے حق میں یہ بات کرتے ہیں اور اس اصطلاح کے خلاف بات شروع ہونے پر چونک اٹھتے ہیں کہ کہیں جمہوریت کو اسلام سے الگ کرنے کے پیچھے آمریت کی حمایت کا فلسفہ تو کارفرما نہیں ، ان کا یہ خدشہ یقیناً قابل لحاظ ہے کیوں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں "امارت" کے نام پر "آمریت" ، "خلافت" کے لبادے میں "ملوکیت" اور "شورائیت" کے "بکل" سے "فسطائیت" اکثر جھانکتی نظر آئی ہے مگر ہم اس سوچ کے اتنے ہی مخالف ہیں جتنا اسلام کے ساتھ جمہوریت کی پیوندکاری کے ، ہمیں اعتراف ہے کہ جمہوریت مارشل لاء ، آمریت ، ارسٹوکریسی ان سب سے بدرجہا بہتر ہے لیکن اس جمہوریت سے کہیں بہتر وہ خالص اسلامی انقلاب ہے جو ہر لاحقے سابقے سے پاک ہے ، اسلامی انقلاب یا نظام متقی قیادت کے ذریعے اہل الرائے کے مشورے سے عوام کو اعتماد میں لے کر ظلم و جبر کے خلاف برپا ہوتا اور گروہی جھمیلوں سے ہٹ کر خیر و شر کی بنیاد پر حق و باطل کے حوالے سے اتفاق و اختلاف کے مراحل طے کر کے نافذ ہوتا ہے ، برسر اقتدار انقلابی جماعت ہی بیک وقت حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی نظر آتی ہے ، تعاونوا علی البر اورولا تعاونوا علی العدوان کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کاروبار حکومت سرانجام دیتی ہے ووٹوں کی پرچیوں سے صندوق بھرنے کے بجائے جس طرح سمندر اپنی موجوں کے ذریعے موتی کناروں پر اچھال دیتا ہے اسی طرح معاشرہ اپنے منتخب افراد کو خود ہی

Marfat.com

اوپر اٹھا کر انہیں زمام اقتدار تھما دیتا ہے ' کہ یہ ہیں وہ امین و صادق افراد جن کی دیانت و عدالت پر ہمیں اعتماد ہے اور ہمارا یہ اعتماد انہیں اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک یہ خدا و رسول (قرآن و سنت) کے اعتماد پر پورے اترتے رہیں گے۔

یہاں نہ گروہی رسہ کشی نظر آتی ہے اور نہ برادری کے تعصبات ' نہ یہاں کرنسی گردش کرتی ہے اورنہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنی اہلیت کے بگل بجائے جاتے ہیں ' نہ خون آشام تقریریں ہوتی ہیں اور نہ گلا کاٹنے کا سامان۔

ایسے عادل و امین لوگوں کو آگ لانے کا طریقہ ایک بھی ہو سکتا ہے اور مختلف بھی!خواہ چند اہل الرائے جذبہ خدا ترسی کے ساتھ کسی صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آگے لائیں یا کوئی صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت کے ذریعے نامزد کرائے اور خواہ مرحوم امیر المومنین چند رکنی کمیٹی کے ذمے انعقاد خلافت کا کام لگا جائے اور چاہے افراد معاشرہ کی ایک بڑی تعداد مسجد میں اکٹھی ہو کر امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لے ' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اب ظاہر ہے کہ آج کے دن سے یہ سلسلہ شروع نہیں کیا جا سکتا کہ آج نہ تو بر سر اقتدار طبقہ کی امانت مسلمہ ہے کہ اس کی وصیت یا نامزدگی آلائش سے پاک ہو اور نہ ہی عامتہ الناس میں وہ خداترسی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ہے کہ ان کے ووٹ حق و باطل کی کسوٹی بن جائیں البتہ کرنے کا کام یہی ہے کہ مسلمانوں کے ذہن مغرب کے مستعار اور درآمدہ طریقے آزمانے کے بجائے اسلام کے انقلابی پروگرام سے آشنا کئے جائیں اور وہ مرحلہ قریب سے قریب تر آ جائے جب عالم اسلام میں فطری انقلابی قیادت اسلام کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ نافذ کرنے کی اہل بن سکے!

ع گر یہ نہیں تو بابا باقی کہانیاں ہیں

❁❁❁

Marfat.com

ارباب اقتدار کی نفسیات ۔۔۔ایک تجزیہ

☼

حکمران منبر و محراب کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے بڑے جتن کرتے ہیں روئت ہلال کمیٹیاں ، اتحاد بین المسلمین کمیٹیاں اور ایسی بیسیوں کمیٹیوں میں انہیں "اکاموڈیٹ" کر دیتے ہیں ساتھ ہی ساتھ کسی درگاہ پر سونے کا دروازہ لگا دینا ، کسی مسجد کی تزئین و آرائش کا حکم دے دینا ، ریڈیو ، ٹی وی پر اذان کا آرڈر جاری کر دینا وغیرہ بھی اسی مہم کا حصہ ہوتا ہے اگر یہ حربہ کارگر ثابت ہو جائے تو پھر ایسے "مذہبی رہنماؤں" کی کمی نہیں ہوتی جو وقت کے حکمران کو ظل سبحانی ، غازی اسلام ، حامئ دین و ملت اور امیر المومنین اور نہ جانے کن کن القاب و خطابات کا حقدار بنا دیتے ہیں۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

جس طرح اقتدار بذات خود بری چیز نہیں اسی طرح ہر صاحب اقتدار بھی ضروری نہیں برا ہو ، فرق صرف مقصد اور نیت سے واقع ہوتا ہے ، اقتدار اگر یزید ، حجاج بن یوسف اور ہلاکو کے پاس ہو تو قابل نفرت اور اگر مسند اقتدار پر عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے لوگ ہوں تو باعث رحمت ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ حکمران ہوں تو ان کے تجزیے کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں کہ ان کے طرز حکمرانی اور کردار میں کوئی پیچیدگی ، کوئی ٹیڑھ اور کوئی مخمصہ نظر نہیں آتا لیکن وہ حکمران جو تقویٰ ، دیانت ، اہلیت اور عوامی اعتماد (محلاتی سازشوں کے ذریعے حاصل کیا ہوا عوامی اعتماد نہیں) کے بغیر ایوان اقتدار میں فروکش ہوں اور کسی چور دروازے ، ملی بھگت ، غیر ملکی آقاؤں کی تائید ، غلط نظام ، کسی پیش رو کی غلط بخشی اور بااثر طبقات کی حمایت سے اس منصب پر پہنچے وہاں تو ان کا نفسیاتی تجزیہ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے ہر اٹھنے والے قدم میں ایک لغزش پنہاں ، ہر فیصلے میں ایک مفاد خویش ، اور ہر اقدام میں ایک آرزوئے اقتدار چھپی ہوتی ہے اور عام آدمی ان کی اوپری اور سطحی باتوں سے خواہ مخواہ اپنے آپ کو خوش فہمی میں مبتلا رکھتا ہے ، جس کا ازالہ ہونا چاہئے۔

ایسے حکمرانوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو کچھ وقت کے لئے تو مطمئن کر سکتے ہیں لیکن سارے عوام کو ہمیشہ کے لئے قائل نہیں کر سکتے اس لئے ان کے اقدامات اور حرکتیں ان کے ذہنی انتشار اور فتور نیت کو ظاہر کرتی رہتی ہیں ، حضرت ابوبکرؓ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ لوگوں کو اپنی راستبازی کا اعتبار دلاتے رہے ، حضرت عمرؓ اپنی عدل گستری کے لئے کوئی مصنوعی سہارا کیوں لیتے ، حضرت عثمانؓ اپنے ملسم کا کیوں اعلان کرتے پھرتے اور حضرت علیؓ اپنی حکمت اور شجاعت کو برسربازار کیوں لاتے اس لئے کہ ان کی نیت میں خوشنودی خدا کے علاوہ کوئی چیز شامل تھی اور نہ مقصد میں بخیر عوام کی خدمت کے

Marfat.com

کوئی دوسرا جزو شامل تھا ، مگر محض حکومت کے خواہاں حکمران اپنی ساری میعاد اقتدار ان حربوں کی نذر کر دیتے ہیں جس سے ان کی مدت حکومت میں کچھ اضافہ و استحکام ہو سکے۔

ایک عام آدمی بھی اگر ذرا سا غور کرے تو حکمرانوں کے اقدامات کے پس پردہ ان کی خواہش اقتدار کو بآسانی دیکھ سکتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ حکمرانوں کی تمامتر سرگرمیوں اور نمائشی ہلچل کے باوجود مسائل حل ہونے کے بجائے اور سنگین ہوتے جا رہے ہیں ، کسی صاحب نے اپنے دوست کو خط میں لکھا کہ آپ کا خط مجھے مل گیا تھا غالباً اس کا جواب آپ کو نہیں ملا ہو گا کیوں کہ میں نے اس کا جواب نہیں بھیجا تھا کچھ یہی صورت حال ہمارے حکمرانوں اور رعایا کی ہے کہ مسائل حل نہیں ہو رہے ، یعنی کسی حکمران نے کبھی مسئلہ حل کرنے کی نیت سے کوئی قدم نہیں اٹھایا تو مسئلہ از خود کیسے حل ہو جائے ؟

اب ہم ترتیب کے ساتھ ارباب اقتدار کی حکمت عملی کے ان نکات کو واضح کریں گے جس سے ان کی حکومت ان کے خیال میں زیادہ دیر تک قائم رہ سکتی ہے اور کسی بڑی انقلابی تبدیلی کو روکا جا سکتا ہے جو خواہ مخواہ ان کے عیش و آرام میں خلل ڈال دیتی ہے۔

۱۔ سب سے پہلے ارباب اقتدار معاشرے کے ان عناصر کی حمایت حاصل کرتے ہیں جو کسی بھی پہلو سے بااثر سمجھے جاتے ہیں ، مثلاً فوجی جرنیل ، سینیئر بیوروکریٹ ، جاگیردار ، قبائلی سردار، برادریوں کے سرپنچ اور نودولتیئے ، یہ عناصر اپنی قیمت مختلف طریقوں سے وصول کرتے ہیں اور حکمران بھی کھلے دل سے ان کا حق الخدمت ادا کرتے ہیں کیوں کہ بات "چوری کے تھان لاٹھیوں کے گز" والی ہوتی ہے اس لئے کہ حکمرانوں کی جیب سے کیا جاتا ہوتا ہے جو دینے سے پہلے حساب کریں عوام کا پیسہ ہوتا ہے ، سرکار کا خزانہ ہوتا ہے اور یہ لوگ حاتم طائی بن کر کسی کو سرکاری زمینیں الاٹ کر دیتے ہیں ، زرعی فارم اور انڈسٹری کے نام پر کروڑوں روپے کے قرض مہیا کر دیئے غیر آباد اراضی کوڑیوں کے عوض سو سالہ پٹے پر دے دی ، نجی سرمایہ کاری کی

Marfat.com

آڑ میں سرمایہ داوں کو گھپلا کرنے کی کھلی چھٹی دے دی ، ذخیرہ اندوزوں سے چشم پوشی کر لی ، قبائلی سرداروں کو ان کے علاقے "علاقہ غیر" قرار دے کر سپرد کر دیئے کہ جو چاہو وہاں کے عوام کے ساتھ سلوک کرو ، برادریوں کے بڑوں کو نامزدگیوں کے موقع پر مختلف مناصب پر فائز کر دیا کسی کو سفیر ، کسی کو مشیر اور کسی کو معاون خصوصی بنا دیا۔

بیوروکریٹس کو زیر دام لانے کا آسان ترین طریقہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ، عوام کی قسمت سنوارنے اور بگاڑنے کا کلی اختیار ان کے ہاتھ میں دے دیا ، قانون انہیں جتنے اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے ان سے کہیں زیادہ اختیارات ان کی صوابدید پر منحصر ہوتے ہیں وہ جتنا آگے جانا چاہیں جا سکتے ہیں "بڑے صاحب" کی "اطاعت" کے بعد ہر ایک کی "مرمت" کا حق انہیں تفویض کر دیا جاتا ہے ، اور پھر انہی کے صاحبزادگان ان کی گدیاں سنبھال کر حق نمک ادا کرتے رہتے ہیں۔

ہر مفاد پرست اور غیر نظریاتی حکومت میں یہ طبقہ ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے ان کا اعداد و شمار کا گورکھ دھندا ، ان کا ہر کام کو تعویق و التواء میں ڈالنے کا فن ، اپنے "صاحب" کی مزاج شناسی کا گر ان کو حکومت کرنے کے لئے ناگزیر بنا دیتا ہے اور ان کے ہوتے ہوئے فی الواقع حکمران بھی اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہیں۔

بیوروکریسی کی یہی عظیم خدمت ہوتی ہے جس کا صلہ انہیں بلاشبہ عظیم ہی ملتا ہے ، نودولتیے بھی حکومت کے استحکام میں خاصہ حصہ لیتے ہیں ، یہ لوگ چونکہ بے جڑ اور بے شاخ قسم کی مخلوق ، سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے قدم قدم پر انہیں اپنا قد اونچا کرنے کی ضرورت درپیش رہتی ہے چنانچہ یہ حکومت کے لئے اور حکومت ان کے لئے لازمہ کی حیثیت رکھتی ہے اس تال میل کے نتیجے میں دونوں ایک دوسرے کو سپورٹ کرتے رہتے ہیں حکومت کے پاس ایسے بے شمار صیغے اور مدات ہوتی ہیں جن کے ذریعے انہیں نوازنا چنداں مشکل نہیں ہوتا اور ان کے لئے فقط ڈپٹی کمشنر یا ایس پی کی کسی کمیٹی کا ممبر بننا بہت بڑا اعزاز

Marfat.com

ہوتا ہے اور حکومت کے لئے نہ نام نہاد کمیٹیوں کی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی جعلی ممبر سازی کی کنجوسی ، سو اس طریقے سے ان کی تفریح طبع کا سامان آسانی سے ہو جاتا ہے۔

فوج کے کچھ اعلیٰ عہدیدار جو طاقت اور اقتدار کا اصل سرچشمہ ہوتے ہیں ان کی نگاہ کرم اور سایہ گستری کسی حکومت کے قائم رہنے کی ضمانت ہوتی ہے (جبکہ انقلابی نظام میں یہ طاقت عوام کے پاس ہوتی ہے)ان جرنیلوں کی رائے اور مرضی کو اپنے حق میں کرنے کے لئے ارباب اقتدار کچھ قانونی تحفظات اور کچھ اقتصادی مراعات ان کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں اس طرح حکمرانوں کے لئے اقتدار کا پہلا زینہ آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔

۲۔ حکمران طبقہ دوسرے مرحلے میں اپنی حکمت عملی کا رخ مذہبی عناصر کی طرف موڑتا ہے اور انہیں خوش اور مطمئن کرنے کا اہتمام کرتا ہے ، اور خیرسگالی کے اظہار کے طور پر مذہبی طبقہ بھی ان کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ اور گرم جذبات رکھتا ہے۔

حکمران خواہ ذہنی طور پر لامذہب اور عملی طور پر آزاد روکیوں نہ ہو پھر بھی مسجدوں ، مدرسوں ، خانقاہوں اور دیگر مقدس مقامات کی دیکھ بھال اور گاہے گاہے ان کی یاترا کو اپنے پروگراموں میں ضروری حصے کے طور پر شامل رکھتا ہے ، اور حکمران مذہبی جذبات کے استحصال کا کبھی کبھار یوں بھی نمونہ سامنے لاتے ہیں کہ نماز پڑھنے کی تصویر کھنچوا کر پورے پریس کو اس کی اشاعت کا حکم دے دیتے ہیں اور ان کا عبادت اور دعا کا انداز بتا رہا ہوتا ہے ، کہ جو کام وہ کر رہے ہیں ان کے باپ دادا نے شاید کبھی بھی نہ کیا ہو۔ حکومت کو بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ طبقہ ہے جو چاہے تو کسی ، بھلے مانس کے خلاف ،کفر ، الحاد ، اور بے عقیدگی کی پخ لگا کر اسے بدنام اور رسوا کر دے اور یا پھر کسی فاسق و فاجر کو اپنی تقریروں سے امیرالمومنین بنا دے اس لئے حکومت کی کوشش ہوتی ہے کہ مذہبی حلقے سے وہ نرم چارہ کاٹنے کا اہتمام کیا جائے جسے حکمران اپنے جبڑوں میں رکھ کر مدتوں جگالی کرتے رہتے ہیں اور بدمزہ نہیں

Marfat.com

ہوتے۔
حکمرانوں کے پاس دو گر ازل سے چلے آ رہے ہیں اور جنہیں وہ بڑی مہارت اور خوش اسلوبی سے آزماتے ہیں کہ اپنے مخالف کو یا تو ملک و ملت کا غدار ثابت کریں یا مذہب کا دشمن! یہ دونوں فتوے ایسے مہلک اور ان کی ضرب ایسی کاری ہوتی ہے کہ کوئی سخت جان ہی شاید ان کی تاب لا سکے ۔ ہمہ شما تو پہلے ہی ہلے میں ڈھیر ہو جاتے ہیں ' پہلا کام ' حکمران اپنی چالاک اور عیار بیوروکریسی کے ذریعے سرانجام دیتا ہے اور دوسرا کام ارباب مذہب کے ذمے لگ جاتا ہے اور یہ "اللہ لوک" بغیر سوچے سمجھے اس میدان میں کود پڑتے ہیں اور اکثر اوقات حکمران خود مذہبی فرقوں کے درمیان نہ ختم ہونے والا "جہاد" شروع کرا دیتے ہیں جس کا واضح مقصد ان کی توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر مصنوعی جہاد کی جانب منتقل کرنا ہوتا ہے۔

حکمران منبر و محراب کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے بڑے جتن کرتے ہیں روئت ہلال کمیٹیاں ' اتحاد بین المسلمین کمیٹیاں اور ایسی بیسیوں کمیٹیوں میں انہیں "اکاموڈیٹ" کر دیتے ہیں ساتھ ہی ساتھ کسی درگاہ پر سونے کا دروازہ لگا دینا ' کسی مسجد کی تزئین و آرائش کا حکم دے دینا ' ریڈیو ' ٹی وی پر اذان کا آرڈر جاری کر دینا وغیرہ بھی اسی مہم کا حصہ ہوتا ہے اگر یہ حربہ کارگر ثابت ہو جائے تو پھر ایسے "مذہبی رہنماؤں" کی کمی نہیں ہوتی جو وقت کے حکمران کو ظل سبحانی ' غازی اسلام ' حامئ دین و ملت اور امیر المومنین اور نہ جانے کن کن القاب و خطابات کا حقدار بنا دیتے ہیں۔

۳۔ حکمرانوں کا ایک اور طریقہ واردات یہ ہوتا ہے کہ وہ عوام میں ہمیشہ انتشار خیالی پھیلائے رکھتے ہیں اور ہر روز ایک نئی خبر ' نیا انکشاف اور نیا منصوبہ پیش کرتے رہتے ہیں جس کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے مختلف طبقات کسی نظریے اور اصول میں یکسو نہ ہو سکیں ' کیوں کہ یکسوئی سنجیدگی کو فروغ دیتی ہے ' سنجیدگی مثبت سوچ پیدا کرتی ہے اور مثبت سوچ اقدام پر ابھارتی ہے اور عوام کی طرف

Marfat.com

سے کوئی اقدام حکمرانوں کے لئے گویا پیغام اجل ہوتا ہے ، چنانچہ ہر سال چھ ماہ بعد ایک نیا شوشہ سامنے آتا رہتا ہے کبھی پارلیمانی نظام کے بجائے صدارتی نظام کی بات کی جاتی ہے ، کبھی نیشنلائزیشن اور کبھی ڈی نیشنلائزیشن کی خبر ہوتی ہے ، کبھی تجویز آتی ہے کہ انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہونے چاہیئں اور کبھی جداگانہ اور کبھی مخلوط انتخابات کی بحث چھڑ جاتی ہے ، کبھی ریفرنڈم کا چرچا ہونے لگتا ہے اور کبھی قومی حکومت کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے کبھی آئین کی کسی ترمیم کی تنسیخ کی بات کی جاتی ہے اور کبھی کسی نئی ترمیم لانے کی ، غرض ہر نیا دن ایک نئے انکشاف کے ساتھ طلوع ہوتا ہے ، ظاہر ہے اس طریقہ وادات سے وقت اور ذہن کا بہت ضیاع ہوتا ہے اور اس کنفیوژن سے معاشی اور معاشرتی سطح پر بھی برے اثرات مرتب ہوتے ہین قوم ابھی ایک تجویز کا جائزہ لے کر ذہن بنا رہتی ہوتی ہے کہ دوسری بات سامنے آ جاتی ہے ، اس سے کم از کم حکمرانوں کو مہلت کا وقفہ مل جاتا ہے اور یہی ان کا مقصود ہوتا ہے انہیں کسی نظام اور کسی طریق کار سے دلچسپی نہیں ہوتی فقط اقتدار سے غرض ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح قبضے میں رہے۔

۴۔ حکمران یوں تو جتنے حربے چاہیں اختراع کر لیں کیوں کہ اعلیٰ پائے کے دانشور ، نکتہ رس دماغ ، رائی کا پربت بنانے والے ماہرین فن اور حربہ ساز تھوک کے حساب سے ان کی جیب میں ہوتے ہیں ، ان "عالی دماغوں" کے ہوتے ہوئے نہ حیلے بہانے کی کمی اور نہ حربے کمیاب ، ہر چیز سٹاک میں موجود ہوتی ہے۔

ان حربوں میں ایک یہ بھی ہوتا ہے کہ حکمران جب وقت کی پیشانی پر سلوٹ ابھرتی اور لوگوں کی طبیعت میں تبدیلی دیکھتے ہیں تو اس آہنگ ، گرمی اور شوخی کو بڑے فنکارانہ طریقے سے دوسری جانب منتقل کر دیتے ہیں ، حکومت کے پاس میدان تو پہلے ہی کافی ہوتے ہیں بس کھلاڑی اتارنے کی دیر ہوتی ہے۔

کھیل ، ثقافت ، تحقیق ، عقیدت "ان سب کے میدان ہر وقت

Marfat.com

تیار رہتے ہیں ، حکومت کے "کراماً کاتبین" اسی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں اور حکومت کو کیا کرنا چاہئے ، جب وہ قوم کے نوجوانوں میں سنجیدگی کے جراثیم دیکھتے ہیں تو پھر بیسیوں قسم کے کھیلوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے شروع کر دیئے جاتے ہیں کرکٹ ، باسکٹ بال ، فٹ بال ، ہاکی ، وغیرہ پوری قوم بالخصوص نوجوان جس کا انقلاب اور نظریات کے فروغ میں مرکزی کردار ہوتا ہے ان میچوں میں لگ کر وہ باتیں بھول جاتے ہیں جنہیں یاد کرنے میں انہیں عرصہ لگا تھا ، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نوجوانوں کے آئیڈیلز بدل جاتے ہین ، ذہنی سمت بدل جاتی ہے ، اور ذوق بدل جاتا ہے ، جب حکمران محسوس کرتے ہیں کہ کھیلوں کی یکسانی اب بور کرنے لگی ہے تو دوسرے مہرے کو چلا دیتے ہیں اور پھر سکولوں کالجوں میں فینسی ڈریس شو ، واک ، ثقافتی محفلیں ، مشاعرے اور دیگر تفریحی پروگرام شروع ہو جاتے ہین اور "آرٹیالوجی" کی ایک وبا پھیل جاتی ہے ، حالانکہ یہ عقل عام کی بات ہے کہ ایسے چونچلے ان ملکوں کو زیب دیتے ہیں جو بنیادی ضروریات سے پوری طرح سبکدوش ہیں ، جس ملک میں معیار تعلیم انتہائی پست ، صحت ناقابل بیان ، روٹی مانگے تانگے کی اور سر پر بے پناہ قرضوں کا بوجھ ہو!وہاں ایسے مشاغل کا فروغ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟البتہ ان دانشوروں کو داد دینی پڑتی ہے جو اپنی فکر و دانش کا آخری قطری تک نچوڑ کر یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ قوم کو ان تفریحات کی کس قدر اشد ضرورت ہے ، آخر تنخواہ بھی تو وہ اسی بات کی لیتے ہیں۔

۵۔ کبھی کبھار حکمران عوام کی طرف سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ امور مملکت میں دینی رجحان بڑھانا ، قوانین کو اسلامی بنانا اور معاشرت کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں تو حکمران بڑی نفاست اور نفسیاتی ٹیکنیک کے ساتھ اوپری تسلی بھی کرا دیتے ہیں اور اصل بات کو گول بھی کر جاتے ہیں ، عوام میں جب یہ خواہش ابھرتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے ملوکانہ روش ختم ہو ، سرمایہ دارانہ رویے کی حوصلہ شکنی ہو ، رشوت اور سفارش کا خاتمہ ہو انصاف کا حصول آسان ہو ، امن اور اخوت کی فضا ہو ، نیکی کرنا آسان اور برائی

Marfat.com

کرنا مشکل ہو جائے مگر حکمران بڑے سلیقے سے ان بنیادی تبدیلیوں سے دامن بچا کر فروعی اور مصنوعی نوعیت کے اقدامات کرتے ہیں ،مثلاً جمعہ کی چھٹی کا اعلان کر دیا ، کابینہ کے اجلاس کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا ، ریڈکراس کا نام بدل کر "ہلال احمر" رکھ دیا ، مذہبی امور کی الگ وزارت قائم کر دی ، کسی مزار کا کلس سونے کا بنوا دیا ، ریڈیو اور ٹی وی پر مذہبی پروگراموں کا دورانیہ بڑھا دیا وغیرہ ، یہ باتیں اپنی جگہ پر اچھی ہیں لیکن پورے سیاسی ، معاشی ، معاشرتی نظام کو جوں کا توں رکھ کر یہ اقدامات کرنا گویا لوگوں کو "ببل گم" دے کر بہلانے والی بات ہے مگر بدقسمتی سے آج تک یہی ہوتا آیا ہے کیوں کہ حکمران اپنے اقتدار کی قیمت پر کسی چیز کو برداشت نہیں کرتے خواہ وہ خدا و رسول کا حکم ہی کیوں نہ ہو؟ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان طفلانہ فیصلوں کا قوم پر کبھی اچھا اثر مرتب نہیں ہوا بلکہ ہمہ نوعی انحطاط اپنی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔

۶۔ اس سے اگلا مرحلہ سیاسی ہوتا ہے اور وہ یوں کہ حکمران اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے ایک طرح کی جعلی اور نام نہاد قیادت ہر سطح پر تیار کرتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت ان لوگوں کے ذریعے جلسہ جلوس کرایا جا سکے ، جشن منائے جا سکیں ، لٹھ بردار فورس تیار ہو سکے ، اخباری بیانات دلوائے جا سکیں اور عوام کے مختلف طبقات کی حقیقی قیادت کو ہٹانے سے جو خلا پیدا ہو اسے ان کے ذریعے پر کیا جا سکے ، بلدیاتی ممبران سے لے کر قومی اسمبلی کے ارکان تک ایک پوری کھیپ ان افراد کی نظر آتی ہے ، یہ لوگ چونکہ کسی صلاحیت اور محنت کے بل بوتے پر نمایاں نہیں ہوتے اس لئے ان کا مطمح نظر بھی بڑا محدود اور ان کے مفادات بڑے پوچ اور کمتر ہوتے ہیں اور معمولی سی حوصلہ افزائی ان کے لئے نعمت کا درجہ رکھتی ہے مثلاً امن کمیٹیوں میں ان افراد کو کھپایا جاتا ہے ، انسداد جرائم کمیٹیوں میں انہیں نمائندگی مل جاتی ہے سماجی تقریبات میں انہیں مدعو کیا جاتا ہے ضلع کا بڑا افسر دربار لگائے تو ان کو کرسی مل

Marfat.com

جاتی ہے اور یہ لوگ اس پر خوش اور قانع رہتے ہیں یوں ارباب اقتدار مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے تبدیلی کا ہر سوتا بند کر دیا ہے اور ہر ناکے پر اپنے آدمی بٹھا دیئے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ اگر پانی کو راستہ نہ ملے تو وہ پتھر چیر کر باہر آ جاتا ہے اسی طرح انقلاب بھی اپنی طاقت سے خود اپنا راستہ نکال لیتا ہے اور یہ رکاوٹیں ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہیں جس میں ہزاروں سوراخ نکل آتے ہیں لیکن حکمران اپنی نفسیات سے مجبور ہوتے ہیں اپنی سی کوشش کرنا تو ہر آدمی اپنا فرض سمجھتا ہے حالانکہ اس طرح کی جعلی لیڈر شپ جب خود اپنی بنیاد نہیں رکھتی تو ارباب اقتدار کو کیا بنیاد فراہم کرے گی؟

۷۔ حکمران طبقہ جب اپنے سارے جتن کر لیتا ہے طالع آزما، جرنیلوں، بیوروکریٹس اور جاگیرداروں کو خوش کر لیتا ہے، قوم کو منتشر الخیال بنا کر دیکھ لیتا ہے، افراد قوم کو کھیل تماشوں میں مبتلا کر لیتا ہے، مذہبی جذبات کا استحصال بھی کر چکتا ہے اور سارے حربے آزما لیتا ہے لیکن پھر بھی ہواؤں کے دوش پر تبدیلی کے آثار محو سفر دیکھتا ہے تو پھر حکمران جوئے کی آخری بازی کی طرح اپنی نفسیات کے ترکش کا آخری تیر باہر نکالتا ہے اور وہ ہوتا ہے قانون اور امن و امان کے نام پر بے پناہ ریاستی تشدد، اور اختیارات کا ناجائز بے دریغ بلکہ بے رحمانہ استعمال گویا ترغیب کے مراحل ختم اور ترہیب کا مرحلہ شروع!

تاریخ عالم ترتیب وار ان مرحلوں کی نشاندہی کرتی ہے، ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی کشمکش دیکھ لیجئے، یا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی آویزش، میدان کربلا میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور افواج یزید ہوں یا امام مالکؒ اور خلیفہ جعفر کا مقابلہ ہو، ہر جگہ یہی نظر آتا ہے کہ پہلے لالچ، عہدے کی پیش کش، اور پھر سنگین سزا، ارباب اقتدار کو جب یقین ہو جاتا ہے کہ عوام کے ہاتھ میں دیئے گئے کھلونے دل بہلاوے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کر سکے اور لوگ بضد ہیں کہ نظام بدلا جائے، تو آخری چارۂ کار کے طور پر اپنے لاؤ لشکر سمیت عوام پر ٹوٹ پڑتے

Marfat.com

ہیں۔

جونکہ انقلاب کی خواہش رکھنے والے لوگ زیادہ تر جھگی نشین ، کچی آبادیوں کے باسی ، مزدور ، کسان ، طالب علم اور غریب کارکن ہوتے ہیں اس لئے حکمران کے پندار نفس کا آئینہ کرچی کرچی ہو کر بکھر جاتا ہے اور چیخ اٹھتے ہیں کہ ہائیں! یہ کل کے چھوکرے ، یہ کمیں کامے ، یہ غلام زادے ، یہ نوکر چاکر ، یہ بھوکے ننگے ، ہمارے منہ آ رہے ہیں غضب خدا کا یہ ہماری کرسی چھیننا چاہتے ہیں ، ہو نہ ہو یہ غیر ملکی ایجنٹ ہین ، یہ آوارہ اور اوباش ہیں ، یہ جنونی اور جذباتی ہیں ، حکمرانوں کے منہ سے جھاگ نکل رہی ہوتی ہے اور ان کی باچھیں کھنچی ہوتی ہیں اور کہہ رہے ہوتے ہیں ، کہ یہ آمنہ کا یتیم ؐ اور للکارے تاج قیصر اور تخت کسریٰ کو ، یہ حبش کا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور منہ آئے امیہ بن خلف کے ، فارس کا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باتیں کرے انقلاب کی ، یہ ربذہ کا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چیلنج کرے نظام زر کو ، یہ روم کا صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مطالبہ کرے حقوق انسانی اور مساوات کا ، نہیں یہ نہیں ہو سکتا اگر غلاموں کو آزادی مل گئی ، تو نظام آقائی کا کیا بنے گا؟ مزدوروں کو خوشحالی مل گئی تو کارخانہ دار کہاں جائیں گے؟ زمین کاشت کے اصول پر کاشتکار کو چلی گئی تو جاگیرداروں کے حقے کون بھرے گا؟ اگر ہر کسی کی عزت محفوظ ہو گئی تو وڈیروں کے طروں اور شملوں کا کیا بنے گا؟ اگر عوام کو اپنے حقوق کا شعور مل گیا تو حکومت کرنے میں کیا لطف باقی رہے گا؟ اس لئے ضروری ہے کہ ان مفلسوں قلاشوں اور سرپھروں کی گوشمالی کی جائے اور پھر باقاعدہ گوشمالی شروع ہو جاتی ہے ، لیکن اس سے ذرا پہلے حکمران اپنے کارندوں کے ذریعے کچھ جال پھینکتے ہیں کہ شاید لوگ اس میں پھنس جائیں کوئی پڑھا لکھا دیکھا تو اس کو سفارت کی پیش کش کر دی۔

نامعلوم ''خیرخواہ'' حرکت میں آ جاتے ہیں کہ میاں! جان کیوں جلاتے ہو اقتدار پر تو کوئی اور فائز ہو گا تمہیں کیا مل جائے گا؟ فرض کیا کچھ ملنے کی امید ہے تو وہ ہم دے دیتے ہیں ، یہ گماشتے ان کارکنوں کے سامنے کار ، کوٹھی ، بنگلہ ، جائیداد ، شہرت بہت کچھ رکھ دیتے ہیں اور ایک پرکشش اور خوشنما زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے

Marfat.com

اگر اس دام میں کوئی آ گیا تو ٹھیک ورنہ دوسری طرف شاہی قلعہ کا عقوبت خانہ ، چونا منڈی ، کال کوٹھڑی ، پھانسی گھر ، جھڑکیاں ، گھرکیاں ، تلخیاں ، دیس نکالے ، اور رسوائیاں موجود ہوتی ہیں ، اور بھی بہت سی بلائیں منہ کھولے کھڑی ہوتی ہیں۔

اس موقع پر ارباب اقتدار بھوکے بھیڑیئے کی طرح دھاڑ اٹھتے ہیں کہ مارو ، پکڑو ، لٹکاؤ ، جانے نہ پائے ، کھال ادھیڑ دو ، اور ایسی ہی مکروہ آوازیں ایک زمانہ سن رہا ہوتا ہے ، اب میدان میں انقلاب کے متوالوں اور ظلم و ستم کے بانیوں کا آمنا سامنا ہوتا ہے ، اپنے تیر اور اپنے جگر ، آزمانے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے کوڑے برستے ہین اور فضائیں دہل جاتی ہیں ، چیخیں نکلتی ہیں اور کلیجے چر جاتے ہیں۔

پہلے ان کارکنوں کے سامنے سکے کھنکتے تھے اب زنجیر چھنکتی ہے ، پہلے گلے میں پھولوں کے ہار تھے اب پاؤں میں بیڑیاں ہیں ، پہلے ملک ملک کی سیر کا مزہ تھا اب چند فٹ کی اندھیری کوٹھڑی ہے ، پہلے مرصع کرسیاں تھیں اب فرش خاک ہے ، پہلے سنجاب و سمور کے بستر تھے اب کھٹملوں اور مچھروں سے گندھا ہوا کمبل ہے ، پہلے خیرخواہوں کے جھمگھٹے تھے اب قید تنہائی ہے ، پہلے بہت کچھ پیش کیا جا رہا تھا لیکن اب بھی بہت کچھ ، ہے قسم ذرا مختلف ہے یعنی کوڑے ، گرم سلاخیں ، بجلی کے کرنٹ ، گالیاں ، بدن چیرتی سردی ، سینہ جلاتی گرمی ، نفرت ، رتجگے ، گندگی ، قید و بند ، اور پھانسی کے پھندے۔

آنکھوں نے دیکھا ، کانوں نے سنا کہ عقوبت گاہوں میں کئی جوانیاں دم توڑ گئیں ، کئی آنکھیں پتھرا گئیں ، کئی نبضیں ڈوب گئیں ، کئی گرم خون جم گئے ، کئی صحتمند بیماریوں کی پوٹ بن گئے ، کئی جوان رعنا ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ، کئی اٹھلاتے جوان زندگی بھر وہیل چیئر کے ہو کر رہ گئے ، اور کئی زندگیاں چراغوں کی مانند جل بجھیں ، نہ کسی کی آہ نکلی اور نہ کسی کی آنکھ بھر آئی۔

ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک آئی تھی یاد وطن سمجھانے کو

اگرچہ اس مرحلے پر انقلاب ناگزیر ہو جاتا ہے اور تاریخ نے بارہا

Marfat.com

اس کا مشاہدہ بھی کیا لیکن حکمران نہ پہلے اپنی نفسیات بدلے ہیں اور نہ اب بدلنے کا ارادہ ہے۔

برا ہو اس تخت کا جو کسی تاج و تخت والے کا ضمیر اور شعور اور حس آدمیت سلب کر لے ، ہر حکمران نے اپنے دور میں یہ کچھ روا رکھا لیکن ہر حکمران بالآخر دو گز زمین پر قناعت کرنے پر مجبور ہوا کاش وہ "قناعت اختیاری" کو "قناعت جبری" پر ترجیح دے سکتا!

Marfat.com

بند گان زر و جاگیر۔۔تحلیل و تجزیہ

☼

یہ ربیع الاول میں سنی ، محرم میں شیعہ ، رمضان میں نمازی اور ذی الحجہ میں حاجی بن جاتے ہیں ، انگریز گورنمنٹ ہو تو اس کے "ریکروٹنگ ایجنٹ" ہندو غلبہ پالیں تو ان کے بھائی بند ، کمیونسٹ حکمران ہوں تو یہ نامور کامریڈ ، اسلامی نظام کا چرچا ہو تو "مجاہد اسلام" جمہوری حکومت ہو تو بہت بڑے ڈیموکریٹ اور کوئی آمر اقتدار پر قبضہ کر لے تو نرے "وفاق پرست" دکھائی دیتے ہیں ، اگر تجزیہ کیا جائے تو فقط پیاز ہوتے ہیں جس میں چھلکوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ، یہ بھارت میں ہوں تو لالہ کرپا رام اور سردار دولت سنگھ ، امریکہ میں ہوں تو مسٹر فلپ ، برطانیہ میں ہوں تو چارلس اور پاکستان میں ہوں تو حاجی مہر دین نام رکھ لیتے ہیں

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

یہ لوگ خدا کی وہ مخلوق ، رسول کے وہ امتی ، ملک کے وہ باشندے اور قوم کے وہ افراد ہیں ، جو خدا ، رسول ، ملک اور قوم کے علاوہ ہر ایک کے وفادار ہوتے ہیں خاص طور پر ہوائے نفس ، ہوس مال ، حب جاہ ، اور اپنے کاروبار کے تو تہ دل سے وفادار ہوتے ہیں۔

یہ طبقہ آدم اول ؑ سے لے کر پیغمبرؐ آخر تک ہر نبی ، ربانی ، مصلح اور مجدد کا مخالف رہا ہے ، اسی لئے قرآن مجید اس طبقے کے لئے "مترف" (زرپرست) اور "ملاء" (ذات پرست) کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔

تفصیلات میں جائے بغیر اس طبقے کا مزاج جاننے کے لئے قرآن مجید سے بطور نمونہ چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ از آدم تا ایں دم اس طبقے کا کیا رویہ ہے۔

حضر نوح ؑ جب پیغام توحید اور پیام انقلاب لے کر اپنی قوم کے روبرو ہوئے تو مترفین اور ملاء نے جو اباً کہا۔

"قوم کے کافر سردار بولے ہم تمہیں ایک عام آدمی کی طرح دیکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تمہارے پیروکار ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی جذباتی بنیاد پر آپ کے ساتھ ہو لئے اور تم ہمیں کوئی غیر معمولی آدمی بھی نظر نہیں آتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں" (ہود : ۲۷)

حضرت ہود ؑ قوم عاد کی طرف مبعوث کئے گئے رد عمل کیا ہوا؟

"قوم کے سرپنچ بولے ہم تمہیں بیوقوف اور جھوٹا سمجھتے ہیں" (الاعراف :٦٦)

حضرت صالح ؑ قوم ثمود کے پاس بھیجے گئے آپ نے لوگوں کو بندگی رب کی دعوت دی تو سرداران قوم بولے۔

"تو ان کی قوم کے سردار جو مغرور تھے غریب لوگوں سے جو ایمان لائے تھے کہنے لگے بھلا تم یقین کرتے ہو کہ صالح ؑ اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا جو چیز دے کر وہ

Marfat.com

بھیجے گئے ہیں ہم اس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں تو یہ مغرور وڈیرے بولے جسے تم مانتے ہو ہم نہیں مانتے" (الاعراف :۷۵ ، ۷۶)

حضرت شعیبؑ مدین میں فریضہ نبوت ادا کرتے ہوئے لوگوں کو پورا تولنے ، صحیح ناپنے ، فساد برپا کرنے اور آوارگی سے احتراز برتنے کی تلقین کرتے ہیں تو "اپر کلاس" دھمکیوں پر اتر آتی ہے۔

"تو مغرور وڈیروں نے کہا ہم تمہیں اور تمہارے پیروکاروں کو شہر سے نکال دیں گے" (الاعراف :۸۸)

حضرت موسیٰ آیات و معجزات لے کر فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں اپنے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہوں اور اپنا فرض منصبی سمجھ کر تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ تم بنی اسرائیل کو آزاد کر دو جسے عرصے سے غلام بنا کر رکھا گیا ہے آزادی کے اس نقیب کو طبقہ امراء کی طرف سے یہ جواب ملا۔

"قوم فرعون کے سرکش وڈیرے بولے کیا آپ
(فرعون) موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو یہ اجازت
دے دیں گے کہ وہ زمین میں فساد برپا کرتے
پھریں" (الاعراف :۱۲۷)

حضور رسالتمآب ﷺ اپنا انقلاب آفریں ، حیات پرور ، اور انسانیت نواز پروگرام لے کر لوگوں سے مخاطب ہوئے اور انہیں صحیح العقیدہ ، خوش اخلاق ، راست باز اور بندۂ خدا بننے کی نصیحت کی ، تو صنادید قریش اور سرداران مکہ نے یہ طعن آمیز ردعمل ظاہر کیا۔

"لوگ کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟" (الزخرف :۳۱)

"ظالموں نے کہا تم سحرزدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو" (الفرقان :۸)

یہ اس زر اندوز اور ذات پرست طبقے کا کردار ہے ، جو کائنات کی سب سے سچی دستاویز اور مستند کتاب (قرآن مجید) نے پیش کیا ہے جس کے ایک شوشے پر نہ کبھی تاریخ کے کسی دور کو شک گزرا ہے اور نہ اس کی صداقت پر کوئی کلمہ گو مسلمان شبہ کر سکتا ہے۔

Marfat.com

ان لوگوں کا مزاج کیا ہے؟نفسیات کس طرح کی ہے؟طریق واردات کیسا ہے؟اور چالبازیوں کا رنگ کیا ہوتا ہے؟تو ملاحظہ فرمایئے ، دولت کے ان پجاریوں اور استحصال کے ان عادی مریضوں کے دو معروف نام ہیں ، جاگیردار اور سرمایہ دار۔

دونوں کے طریقہ واردات میں فرق تو ہے لیکن مقاصد میں سرمو اختلاف نہیں ، اور پھر یہ کہ جاگیردار اور سرمایہ دار یورپ کے ہوں یا امریکہ کے ، ایشیا کے ہوں یا افریقہ کے ، ان کی ذہنیت ایک ہو گی۔

براعظم امریکہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ سرمایہ دار اور فرانس کے مہذب جاگیردار کا مزاج افریقہ کے ان پڑھ اور ان گھڑ سرمایہ دار اور ایشیا کے توہم پرست اور مذہب پسند جاگیردار سے قطعاً مختلف نہیں ہو گا ، بلاشبہ ان کی زبان ، ان کے رنگ اور ان کے وطن تو الگ الگ ہیں لیکن ان کی نسل ایک ہے۔

ان کی زبان قینچی ، ان کا رنگ "ہمہ رنگ" ان کا وطن جاگیر اور مذہب پیسہ ہے ، اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم جاگیردار کو نرم خو اور مہذب نہیں بنا سکتی اور نہ ہی سرمایہ دار کو صاف نیت اور پختہ کردار بنا سکتی ہے ، اس لئے کہ وحشت جاگیردار کا اور عیاری سرمایہ دار کا خاصہ ہے۔

مذہب جاگیرار کو رحمدل اور سرمایہ دار کو سیرچشم نہیں بنا سکتا کیوں کہ رحمدلی اور جاگیرداری اور اسی طرح فیاضی اور سرمایہ پرستی ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔

جاگیردار ظلم سے حقوق غصب کرتا اور سرمایہ دار مکر اور حیلے سے پیسہ جوڑتا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ لوگ علم کی ابجد سے واقف نہ ہوں اور دستخط تک کرنے سے عاری ہوں مگر ان سا ماہر امور دیہہ اور امام اقتصادیات کوئی نہ ہو گا ، جاگیردار گردن دبوچ کر اپنی زمین بڑھائے گا اور سرمایہ دار پاؤں پر سر رکھ کر اپنے کاروبار کو فروغ دے گا۔

یوں کہئے کہ ایک نظر آنے والا اژدہا اور دوسرا اس کے اندر چھپا ہوا زہر ہے ایک کی شکل بھیانک اور دوسرے کا زہر مہلک ، سچی

Marfat.com

بات یہ ہے کہ ان کی قوت باصرہ چیل سے زیادہ ، قوت سامعہ چوہے سے تیز ، قوت شامہ چیونٹی سے بڑھ کر ہوتی ہے ، بہت دور سے انقلاب کو دیکھتے ، اس کی آواز سنتے اور اس کی بو سونگھتے ہیں اور پھر اس کی آمد کو روکنے کے لئے سازشوں اور تدبیروں میں لگ جاتے ہیں ، البتہ طریق کار بہت دلچسپ اختیار کرتے ہیں۔

کوئی سوشلزم کا داعی اٹھ کھڑا ہو یا کوئی "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگا کر سامنے آ جائے ، بحالی جمہوریت کی تحریک چل رہی ہو یا مارشل لاء کا غلغلہ ہو ، زور اور زر یہ فراہم کرتے ہیں تاکہ من پسند نظام آنے پر دو دانے اوپر حصہ وصول ہو سکے ، مزارعین کو کتوں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کرنے والے وڈیروں کے ڈیرے یکدم آباد ہو جاتے ہیں اور مرغ و ماہی کی قابیں مہمانوں کے لئے چشم براہ ہوتی ہیں ، اسی طرح مزدوروں ، پلے داروں ، منشیوں اور چوکیداروں کی تنخواہ قسطوں میں ادا کرنے والے صنعتکار ، آڑھتی اور تاجر اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں تاکہ نئے سسٹم میں اپنی جگہ بنا سکیں۔

ان کی ٹیکنیک یہ ہوتی ہے کہ صدائے انقلاب پر یہ اس کے مخالف اور کامیاب ہونے پر سرگرم حامی بن جاتے ہیں ان کے ہاں چاپلوسی ، ضمیر فروشی ، پارٹی بدلنا ، ماضی سے دغا کرنا ، اصول بیچنا ، قصیدے پڑھنا ، اور پیش رو کی لاشیں اکھیڑنا کوئی معنی نہیں رکھتا ، عقیدہ ، اصول ، دھرم ، مذہب ، عزت نفس ، وفاداری ، عیب ، شرم جیسے الفاظ ان کے نزدیک غریب عوام کی لغت میں درج ہوتے ہیں ، ان کے ہاں ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں۔

جس مٹی کے یہ لوگ بنے ہوئے ہیں اس میں رحم ، مروت ، انصاف ، راست بازی ، استقامت اور خدمت کے ذرات سرے سے شامل ہی نہیں۔

اس طبقے کی کامیاب حکمت عملی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بیک وقت ایک سے زیادہ مشاغل کے عادی اور فنون کے ماہر ہوتے ہیں اور اکثر و بیشتر سرخرو رہتے ہیں۔

جوا ، شراب ، ریس ، سٹہ ، سود ان کے فیشن کا حصہ ہوتے ہیں

Marfat.com

لیکن ساتھ ہی حکومت کی نگرانی میں چلنے والے بعض رفاہی اداروں میں بڑے اہتمام سے اپنا حصہ شامل کر کے حکومت کی نظر عنایت کے سزاوار ٹھہرتے ہیں۔

جوئے ، شراب اور کلبوں اور ہوٹلوں میں ہزاروں روپے اڑا کر چند سو روپے دفاعی فنڈ میں جمع کرا دیتے ہیں آبیانے ، مالیے اور ٹیکس کے لاکھوں روپے بچا کر چند ہزار روپے کسی کالج ، سپورٹس گراؤنڈ اور ہسپتال میں خرچ کر دیتے ہیں۔

سٹے اور سود سے کروڑوں کما کر گاہے گاہے ہزاروں روپے صدر ، وزیراعظم اور گورنر کے فنڈ میں دے دیتے ہین اور یوں نیک نامی اور مخیر ہونے کا سرٹیفکیٹ لے لیتے ہیں۔

اسی طرح جعلی مال ، سمگلنگ اور ناجائز دھندوں سے تجوریاں بھر لیتے ہیں اور پھر کسی کمشنر ، وزیر ، یا صدر کے دورے کے موقع پر آرائشی محراب ، خیر مقدمی بینر اور استقبالیہ تقریبات کا انعقاد کر کے اپنے سارے "دھندوں" کے لئے سند جواز حاصل کر لیتے ہیں۔

یہ تو رہا بندوں کے ساتھ ان کا معاملہ! لیکن شیطان کے کان کترنے والے یہ کایاں لوگ ، خدا سے بھی ہاتھ کرنے میں عار اور شرم محسوس نہیں کرتے ، ان کی "عبقریت" کا تقاضہ ہوتا ہے کہ یہ "وصال صنم" کے ساتھ ساتھ خدا کو بھی راضی رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔

یہ لوگ ایک طرف سینما بنواتے ہیں ، ان میں "ٹوٹے" چلواتے ہیں ، جوئے خانے قائم کرتے ہیں ، ڈیرں اور کوٹھیوں پر کسبیاں منگواتے اور مجرے کرواتے ہیں ، رقص و سرود کی محفلیں جماتے اور ناؤ و نوش کی مجلسیں ترتیب دیتے ہیں لیکن دوسری طرف دس کنال کی کوٹھی کے ایک کونے میں مسجد کھڑی کر دیتے ہیں ، اپنے محلے میں کسی دینی مدرسے کے سرپرست بن جاتے ہیں اور محفل میلاد ، مجلس عزا اور قوالی بھی پورے اہتمام سے کراتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ ہر نئی فلم کی افتتاحی تقریب کے مہمان خصوصی اور محفل میلاد کے صدر نشین یہی نظر آتے ہیں۔

یہ ظالم تقسیم کار کے بڑے ماہر اور ہر شعبہ زندگی میں اثر پیدا

Marfat.com

کرنے کے بڑے گر جانتے ہیں ، مثلاً دوفانوس تحفے کے طور پر ایوان صدر میں بھجوا دیئے ، تین پنکھے ہسپتال میں لگوا دیئے ، دو بنچ سکول میں رکھوا دیئے ، چار صفیں مسجد میں بچھوا دیں ، اور ایک قیمتی جائے نماز مولوی صاحب کی نذر کر دی ، اور اس ہوشیاری کے ساتھ

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

کے مصرعے کو پورا شعر بنا دیتے ہیں۔

ان کے کرتوتوں میں ایک یہ بھی قابل ذکر ہے کہ پہلے ذخیرہ اندوزی کے ذریعے مصنوعی قلت پیدا کرتے ہیں اور زمینیں شکارگاہوں میں بدل کر اجناس کا قحط لاتے ہیں جب حکومت پریشان ہو کر ان کی طرف رجوع کرتی ہے تو یہ خیرسگالی کا مظاہرہ اور حکومت کو اپنا مکمل تعاون پیش کر کے اشیائے صرف بازاروں اور اجناس منڈیوں میں لے آتے ہیں یوں حکومت سے اپنی اہمیت اور افادیت منوا لیتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت سند رہے۔

ان لوگوں کی ظاہری شکل و صورت میں داڑھی ، چوٹی ، کڑے اور صلیب کے نشان کا فرق ہوتا ہے رہی افتاد طبع اور ذہنیت وہ بالکل یکساں اور کرتوت اور مزاج صد فی صد ایک دوسرے سے مشابہ!

یہ "شاطران ازل" سانپ کی طرح کینچلی اتارنے اور کھال بدلنے کے ماہر ہوتے ہیں یہ نائٹ کلب کے رقاص ، مندروں کے پجاری ، سیاسی تحریکوں میں لیڈر ، دکانوں پر بنیئے اور پولیس چوکیوں میں ٹاؤٹ نظر آتے ہیں۔

یہ ربیع الاول میں سنی ، محرم میں شیعہ ، رمضان میں نمازی اور ذی الحجہ میں حاجی بن جاتے ہیں ، انگریز گورنمنٹ ہو تو اس کے "ریکروٹنگ ایجنٹ" ہندو غلبہ پالیں تو ان کے بھائی بند ، کمیونسٹ حکمران ہوں تو یہ نامور کامریڈ ، اسلامی نظام کا چرچا ہو تو "مجاہد اسلام" جمہوری حکومت ہو تو بہت بڑے ڈیموکریٹ اور کوئی آمر اقتدار پر قبضہ کر لے تو نرے "وفاق پرست" دکھائی دیتے ہیں ، اگر تجزیہ کیا جائے تو فقط پیاز ہوتے ہیں جس میں چھلکوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ، یہ بھارت میں ہوں تو لالہ کرپا رام اور سردار دولت سنگھ ، امریکہ میں ہوں تو مسٹر

Marfat.com

فلپ ، برطانیہ میں ہوں تو چارلس اور پاکستان میں ہوں تو حاجی مہر دین نام رکھ لیتے ہیں ، ان کے ناموں میں حفیف سی ، مشابہت نہ بھی ہو معنی اور مفہوم ایک ہوتا ہے یعنی "عبدالدراھم و الدنانیر" (روپے پیسے کے بندے)

کم از کم تیسری دنیا میں برپا ہونے والی انقلابی تحریک ارباب سرمایہ و جاگیر کی نفسیات کو ژرف نگاہی سے دیکھ اور سمجھ کر اپنے قدم آگے بڑھائے ورنہ چہرے بدل بدل کر یہ لوگ ہر انقلابی پروگرام کو سبوتاژ کرتے رہیں گے اور رہروان انقلاب تھک ہار کر رہ جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دولتمندوں میں کئی "عثمان غنی رضی اللہ عنہ" بھی سامنے آتے ہیں اور ان کا خیرمقدم کیا جانا چاہئے ، اور ہمارا خیال ہے کہ ایسے افراد کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہونی کیوں کہ ماتھے کی لکیریں اور آنکھوں کے ڈورے ان کے "غنا" کا پتہ دے رہے ہوتے ہیں۔

زراندوزوں اور ذات پرستوں کے ماضی اور حال میں کوئی ربط نہیں ہوتا اور حال اور مستقبل کے درمیان کئی کڑیاں مفقود نظر آتی ہیں جبکہ "عثمان غنی رضی اللہ عنہ" کا ماضی حال سے مربوط اور مستقبل اور ماضی کے درمیان "زمانہ حال" صدق اور غناء کی مضبوط کڑی کا کام دیتا ہے۔

جاگیر بذات خود قبیح نہیں بشرطیکہ انسان کو اپنا "اسیر" نہ بنا لے اور زر فی نفسہ برا نہیں بشرطیکہ خیر و شر کی "بنیادی قدر" نہ بن جائے۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

سیاسی انقلاب ۔۔۔۔ وقت کی اہم ضرورت

☼

استحصالی نظام میں وفاداریوں اور توجہ کا مرکز شخصیات ہی ہوتی ہیں جبکہ انقلابی ماحول میں انقلاب ہی پوری قوم کی دلچسپی کا مرکز ہوتا ہے اور انقلابی ادارے ہی ملک و ملت کے استحکام کی علامت اور ضمانت بنتے ہیں ، جو قوم کسی شخص کو ناگزیر بنا لے اس کے مستقبل کا خدا ہی حافظ ہے ملک میں سیاسی انقلاب کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ توجہ اداروں کی مضبوطی پر صرف کی جائے جس سے ملک نوابوں ، وڈیروں ، رئیسوں ، توانوں ، مزاریوں ، لغاریوں ، کھگوں ، دولتانوں ، اعوانوں ، قریشیوں ، گردیزیوں ، اور اخوندزادوں کے چنگل سے آزاد ہو جائے گا اور ہر کام اداروں کی وساطت سے ہو گا۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

یہ امراب مسلمات میں شامل ہے کہ ہر شخص سیاست میں ملوث اور زندگی کا ہر شعبہ سیاست سے منسلک ہو گیا ہے ، لیکن اس اہم ادارے میں تربیت اور تطہیر کا کام برائے نام بھی نہیں ، اسی باعث ہماری سوسائٹی کی ہر چول ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے اللہ نہ کرے کہ اس غفلت سے ہماری پوری سوسائٹی "کھچک" کر رہ جائے۔

کسی بھی انسانی معاشرے کا سیاسی شعبہ ہی پورے ماحول کی اصلاح یا بگاڑ کا ذریعہ بنتا ہے ، کیوں کہ اس کا اثر براہ راست اور فوری ہوتا ہے مقننہ ہو یا عدلیہ یا انتظامیہ سبھی بنیادی اور فیصلہ کن ادارے اس سے جڑے ہوتے ہیں ، مگر بدقسمتی سے یہی وہ شعبہ ہے جہاں سے ایک ایک کر کے ہر ضابطہ ، ہر قدر اور ہر اصول رخصت ہوتا جا رہا ہے ، اگر "رخصتی" کی رفتار یہی رہی تو مستقبل کی باگ کسی ہاتھ میں اور رکاب کسی پاؤں میں نہیں رہ سکے گی ، چنانچہ اس وقت زبردست سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے جو ہمارے اجتماعی ڈھانچے کو شکست و ریخت سے بچا سکے ، اس اس سلسلے میں چند امور پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۱۔ مملکت کا نظریاتی تشخص :۔

کسی مملکت کا نظریاتی تشخص گویا عمارت کی خشت اول ہے جس سے پوری دیوار مستقیم اور استوار ہوتی ہے ، جو ملک نظریاتی اعتبار سے مستحکم ہو وہ قائدانہ کردار کا حامل ہوتا ہے اور جو ملک نظریاتی استحکام سے محروم ہو وہ طفیلی بن کر رہ جاتا ہے ، تاہم نظریے سے مراد کوئی مخصوص مذہبی نظریہ نہیں بلکہ وہ نظریہ جو خود ملک اور دوسروں کے لئے امن اور استحکام کا ذریعہ بنے ، بین الاقوامی تعلقات میں اس کا دخل ہو ، اندرونی طور پر سماجی تبدیلیوں کے لئے بنیاد فراہم کر سکے ، روحانی ، سیاسی ، معاشرتی اور معاشی سطح پر وہ ملک اور عوام کے لئے حوالے کا کام دے۔

ہمیں تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں وہ قومیں

Marfat.com

اور مملکتیں باوقار طریقے سے زندہ رہیں اور آنے والوں کے لئے راہ عمل متعین کر گئیں جو نظریے کے ساتھ زندہ رہیں۔

چنانچہ ہمارا ملک اس وقت ایک مثبت سیاسی انقلاب کا تقاضا کرتا ہے اور اس ضمن میں پہلا کام نظریاتی تشخص کا فروغ ہے تاکہ فرد اور اجتماع خود کو ایک مضبوط نظریاتی حصار میں محفوظ تصور کریں اور چھوٹ موٹے ہچکولے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ برداشت کر سکیں، نظریے سے محروم معاشرہ انسانی معاشرہ نہیں بلکہ ڈھور ڈنگروں کا باڑا ہے جہاں سوائے کھانے، پینے، پہننے، دولت جمع کرنے، شادی بیاہ رچانے، گھریلو زندگی پر تعیش بنانے، پیٹ پالنے، اور اپنی ذات کی پوجا پاٹ کرنے کے علاوہ کوئی نظریہ، کوئی اصول اور کوئی مقصد کارفرما نہ ہو، بنیادی نظریے سے محروم قومیں کمزور، بزدل، عیش کوش، مفاد پرست اور اصول شکن ہوتی ہیں۔

نظریہ قوموں کو سخت جان، ایثار پیشہ، محنتی، مخلص، اور صاحب درد بنا دیتا ہے، مملکت کا اگر ایک واضح نظریہ، قوم کا ایک طے شدہ مقصد اور دل و دماغ کی ایک روشن سمت ہو، تو زندگی کا سفر آسان ہو جاتا ہے، یہ کرشمہ کسی نظریے کے تحت اور کسی اصول پر چلنے کا ہوتا ہے کہ مشکل وقت میں عوام کو فاقے لذیذ کھانوں سے زیادہ مزہ دیتے ہیں، تنگ ترش زندگی خوشگوار لگتی ہے، مدوجزر اور نشیب و فراز سے وہ ہلکوروں کا لطف لیتے ہیں، اور یوں آزمائش کے مرحلے آسان ہو جاتے ہیں۔

اگر کسی فرد یا قوم کی زندگی نظریے اور نصب العین سے عاری ہو تو وہ ایک دن فاقہ برداشت نہیں کر سکتی، ایثار بے معنی چیز بن جاتی ہے، خدمت کا کوئی تصور نہیں رہتا، کیوں کہ بے مقصد معاشرے کی نظر اپنی ناک سے آگے نہیں جاتی، مملکت کا ایک واضح نظریہ ہو تاکہ اس کا پورا کاروبار حکومت اسی محور پر ہے، تعلقات کا بناؤ اور بگاڑ اسی بناء پر ہو، جب کوئی شعبہ یا ادارہ بے راہرو، کمزور، اور بے لگام ہونے لگے تو وہ نظریہ اس کے لئے مینارۂ نور بن جائے اور اسے پھر سے سیدھی راہ دکھا دے، نظریہ اور نصب العین ہی ہوتا ہے جو کسی بڑے

Marfat.com

انقلاب کا پیش خیمہ بنتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رومی عہد کے مظالم اور عیش کدوں کو للکارا، اگرچہ مراعات یافتہ طبقوں نے بے حد مزاحمت کی اور آپ کے لئے پھانسی تک کا اہتمام کیا لیکن نظریے کی صداقت نے اتنا اثر کیا کہ خود رومی اس نظریے پر ایمان لے آئے اور صدیوں تک غاروں میں ریاضت اور مجاہدے کرتے رہے۔

جناب رسالتمآب ﷺ نے اہل عرب کو قومیت، ذات پات، رنگ، خطے، علاقے اور مادیت سے بہت برتر نظریہ دیا اور اسی کی بدولت اہل اسلام عرب و عجم کے اقتدار پر فائز ہو گئے، الغرض ہر دور نظریے کا دور اور ہر عہد نظریے کا عہد ہوتا ہے دنیا کے سبھی بڑے انقلابات نظریے کی پیداوار ہیں جنہوں نے استحصال پر مبنی نہایت مستحکم نظام ہائے حکومت کو ہلا ڈالا، اور دنیا کو نئے اور خوشگوار تجربے سے آشنا کیا، نظریہ اور اس کا تشخص کسی قوم کا تعارف اور اس کی عظمت کا نشان ہوتا ہے، اس وقت ملک میں نظریاتی شناخت کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ اداروں کی مضبوطی :۔

سیاسی انقلاب کے ضمن میں دوسری اہم بات ملک میں اداروں کی مضبوطی سے تعلق رکھتی ہے، ترقی پذیر ممالک میں عدم استحکام کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہاں شخصیات اور افراد مضبوط مگر ادارے بہت کمزور ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ افراد و شخصیات ہر چھ ماہ سال بعد ملک کے سیاسی ڈھانچے کو بحران میں مبتلا کر دیتے ہیں اور پھر سے نئے قانون، نئے طریق کار، نئے تجربے اور نئے منصوبے رو بہ عمل آتے ہیں اور یوں وقت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ اداروں کا استحکام مجروح ہو جاتا ہے، حالانکہ یہی وقت اگر اداروں کی مضبوطی پر صرف ہو تو قوم و ملک کی تعمیر و ترقی یقینی اور قابل رشک بنائی جا سکتی ہے، استحصالی نظام میں وفاداریوں اور توجہ کا مرکز شخصیات ہی ہوتی ہیں جبکہ انقلابی ماحول میں انقلاب ہی پوری قوم کی دلچسپی کا مرکز ہوتا ہے اور

Marfat.com

انقلابی ادارے ہی ملک و ملت کے استحکام کی علامت اور ضمانت بنتے ہیں ، جو قوم کسی شخص کو ناگزیر بنا لے اس کے مستقبل کا خدا ہی حافظ ہے ملک میں سیاسی انقلاب کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ توجہ اداروں کی مضبوطی پر صرف کی جائے جس سے ملک نوابوں ، وڈیروں ، رئیسوں ، ٹوانوں ، مزاریوں ، لغاریوں ، کھگوں ، دولتانوں ، اخوانوں ، قریشیوں ، گردیزیوں ، اور اخوندزادوں کے چنگل سے آزاد ہو جائے گا ، اور ہر کام اداروں کی وساطت سے ہو گا۔

انقلابی اداروں میں بذات خود اتنی طاقت اور استطاعت ہوتی ہے کہ وہ ان شخصی سہاروں کے بغیر اپنے مقاصد حاصل کر سکیں۔

سیاسی انقلاب کے ذریعے عدلیہ کے ادارے کو اتنا مستحکم ، فعال اور خودکفیل بنا دیا جائے کہ کوئی حکمران اپنے اثر و رسوخ سے اس کی میزان کا پلڑا اپنی طرف نہ جھکا سکے ، کسی دور پرے کی رشوت اور سفارش کا تو مذکور ہی کیا؟

عدلیہ کی فعالیت ہر شخص محسوس کرے ، انصاف بے لاگ اور نظر آنے والا ہو اور ساتھ ہی تیز رفتار بھی! کہیں ایسا نہ ہو کہ انصاف ملنے تک مظلوم کے آنسو ہی خشک ہو جائیں ، فریادی کی آہ کا ارتعاش ابھی فضا میں ہو کہ داد رسی ہو جائے ، فیصلے سال مہینوں تک معلق نہ ہو جائیں بلکہ دنوں اور گھنٹوں تک بات پہنچ جائے ، کون کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو رشوت اور سفارش کا بوجھ ہوتا ہے جو میزان عدل کو بھاری بنا دیتا ہے جسے اٹھانے اور قائم کرنے میں سال مہینے لگ جاتے ہیں ورنہ مظلوم کے چہرے کی بے بسی اور ظالم کے ماتھے کی شکنوں میں کتنا فاصلہ ہوتا ہے؟ کہ فیصلہ زیادہ وقت مانگے ، سیاسی انقلاب کے سلسلے میں انتظامیہ کی بھی اور ہالنگ" ہو ، کاغذوں پر نہیں بلکہ عمل کے ذریعے! اس شعبے کو سیاسی سراغرسانی ، ریاستی جبر کے اظہار اور ذاتی مفادات کا وسیلہ بنانے کے بجائے اس کو خدمت ، خیرخواہی اور جوابدہی کے اصولوں کا پابند بنایا جائے ، پولیس کے "سلاٹر ہاؤس" بند کر دیئے جائیں ، اسے سیاسی معاملات سے کلیۃ الگ کر دیا جائے ، انتظامی افسروں کو انتظامی معاملات تک محدود کر دیا جائے ، انتظامیہ کو جائز

Marfat.com

سہولتیں دے کر ناروا پابندیوں سے آزاد کیا جائے ، انتظامی افسروں کو دبانے کی رسم ختم کر دی جائے تو انہیں خریدنے کا دھندا بھی خود بخود ختم ہو جائے گا۔

پریس کو باقاعدہ ادارے کا درجہ دے کر اس کے زور ، اثر ، افادیت ، اور معنویت سے پورے معاشرے کو کیا کہا جا سکتا ہے ، پریس کو احتساب کا صحتمند ادارہ بنایا جا سکتا ہے جو حکمرانوں اور اہلکاروں کو اپنے دائرے میں رکھنے کا اہتمام کر سکتا ہے لیکن پریس خود بھی احتساب کے عمل سے گزرے ، پریس حکمرانوں کا احتسابی ادارہ اور عوام پریس کا احتسابی ادارہ قرار پائیں تو دو طرفہ احتساب سے معاشرہ اعتدال کے خطوط پر گامزن ہو سکتا ہے۔

پریس کاروبار نہیں بلکہ ملک کا اہم ادارہ بن کر اپنا کام کرے ، اساسی نظریے سے انحراف ، زرد صحافت ، جانبداری ، بیہودہ فیشن کے فروغ ، تعصبات کے ابھار اور ذہنی و فکری عیاشی سے اپنا دامن بچائے رکھے تو بڑی سے بڑی شخصیات خود کو اداروں سے مضبوط سمجھنے کے خبط سے نجات پا لیں گی۔

الغرض سیاسی انقلاب کے راستے سے اداروں کی مضبوطی کی منزل پائی جا سکتی ہے ، ہمارے ملک کے جملہ وسائل ترقیاتی کاموں کے ساتھ ساتھ اداروں کی مضبوطی پر صرف ہوں نہ کہ اشخاص و افراد کو راضی رکھنے ، ساتھ ملانے ان کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے خرچ ہوں ، اشخاص فانی اور ادارے دائمی ہوتے ہیں ، افراد کا متبادل فوراً مل جاتا ہے ، ادارے تباہ ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں تو ان کا احیاء اور از سرنو استحکام بچوں کا کھیل نہیں ہوتا ، اداروں کے استحکام کی ایک برکت یہ بھی ہوتی ہے کہ ہر کام صحیح طریقے اور درست وقت پر ہوتا ہے اور ہر ایک کا ہوتا ہے چنانچہ قوم شخصی احسان مندی کے بوجھ سے بچ جاتی ہے جو شدہ شدہ غلامی کی شکل اختیار کر لیتی ہے ، اور یہی غلامی پھر سے اداروں کو کمزور اور افراد کو مضبوط بنا دیتی ہے ، لیکن اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ ادارے بذات خود اتنے طاقتور ہو جائیں کہ وہ پورے افراد معاشرہ کو اپنے پنجے میں جکڑ لیں بلکہ انہیں

Marfat.com

بھی احتساب کے کڑے عمل سے گزارنے کا اہتمام کیا جانا چاہئے ، کہ کہیں ایک خاص مدت کے بعد وہ بدبو نہ دے اٹھیں۔ ط

۳۔ انتخابی عمل کی اصلاح :۔

سیاسی انقلاب کا ایک اہم پہلو انتخابی طریق کار اور اداروں کی نتیجہ خیز اصلاح کا ہے جس کے ذریعے "دولت اور طاقت کو واحد فیصلہ کن عنصر" کا تصور ختم کر دیا جائے۔

انتخاب کو دیانتدار ، جوابدہ اور ذمہ دار نمائندگی کا مظہر کامل بنا کر اسے چودھریوں ، جتھہ بازوں ، اور سیاسی مداریوں کے لئے تفریحی شو نہ رہنے دیا جائے ، انتخابی اصلاحات اس قدر جانبدار اور مؤثر ہوں کہ اقتدار اور عوام کی تقدیر کسی عیاش کا دل بہلاوا اور کسی بازی گر کا کھیل تماشہ نہ بن سکے ، اس سلسلے میں چند باتیں حتمی طور پر طے کر لی جائیں۔

اولاً۔ ہر وہ خاندان یا شخص جو کسی مرحلے میں انگریز حکومت کا وفادار ، وظیفہ خوار اور معاون رہا ہو وہ ہمیشہ کے لئے قومی نمائندگی کے لئے نااہل قرار دے دیا جائے۔

ثانیاً۔ بالخصوص جن خاندانوں کو انگریز نے کسی "غیر معمولی خدمات" کے عوض کوئی جاگیر الاٹ کی یا ایسا منصب بخشا جو اس کے جاگیردار بننے کا واسطہ ثابت ہوا وہ خاندان کسی انتخاب میں حصہ نہ لے سکیں۔

ثالثاً۔ جن لوگوں نے مستقل پارٹیاں بدلنے کا شغل اپنائے رکھا آنے والے کے پاؤں میں سر اور جانے والے کی پگڑی پر ہاتھ ڈالا ہو ، قوم کو ان کی ابن الوقتی کے اثر بد سے محفوظ رکھا جائے۔

رابعاً۔ کسی ان پڑھ سرمایہ دار اور جاہل جاگیردار کو اسمبلی میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

خامساً۔ جو شخص کسی سر ، خان ، شمس العلماء آنرایبل جیسے خطاب یافتہ فرد کا بیٹا ، پوتا ، نواسہ ، بھتیجا ، بھانجا اور بھائی ہو اس پر انتخاب میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی جائے۔

Marfat.com

سادساً۔ جس ممبر نے اپنی رکنیت ، وزارت ، مشاورت کے توسط سے کبھی کوئی غیر ضروری اور غیر معمولی فائدہ اٹھایا ہو خواہ وہ قرض پرمٹ ، لائسنس وغیرہ کی شکل میں ہو اس پر اسمبلیوں کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔

سابعاً۔ فوجی جرنیلوں ، بیوروکریٹس اور سفارت کاروں کے صاحبزادوں کو انتخابی عمل میں شریک ہونے کی کبھی اجازت نہ دی جائے یہ وہ چند اشارے ہیں جو مستقبل میں شاید مفید اور مثبت کردار ادا کریں اور سیاسی انقلاب اپنے منطقی ثمرات سے بہرہ ور ہو سکے۔

۴۔ بے لاگ احتساب :۔

جو لوگ سیاسی انقلاب کو تشدد ، افراتفری ، اور تخریب کاری کا نام دیتے ہیں ان کے گلے کی اصل پھانس یہی بے لاگ احتساب ہوتا ہے ، حرام کھا کھا کر جب توندیں بڑھ جاتی ہیں اور ان کے پھاڑے جانے اور سب کچھ اگلوانے کا خدشہ دماغ میں ابھرتا ہے تو یہ عمل عام آدمی کے لئے بے لاگ احتساب اور توند بازوں کی زبان میں تشدد کہلاتا ہے۔اس لئے ہم بے لاگ احتساب کی تجویز پیش کرتے ہیں کیوں کہ اس کا فائدہ کروڑوں عوام اور نقصان چند "توندبازوں" کو پہنچے گا ، ملک کروڑوں عوام کا ہے نہ کہ چند بدمست وڈیروں کا!

جس معاشرے میں برسوں تک احتساب کا عمل رکا رہے تو وہ رفتہ رفتہ کوڑے کا ایسا ڈھیر بن جاتا ہے جس میں غلیظ کیڑے ، بچھو ، اور زہریلے جرثومے پیدا ہو کر فضا کو مسوم بنا دیتے ہیں ، استحصال زدہ اور احتساب سے عاری معاشرے میں اسی طرح کے زہرناک سیاسی جرثومے وجود میں آتے اور اپنا زہر گاؤں سے اسمبلی تک پھیلاتے ہیں ، اس کا نتیجہ سفارش ، رشوت ، دھونس ، دھاندلی ، بدعنوانی ، اور طاقت کے اظہار کی صورت میں برآمد ہوتا ہے ، جبکہ انقلابی معاشرہ اپنے بے لاگ احتساب کے ذریعے نہ صرف آئندہ کے لئے ان خطرات کی روک تھام کرتا ہے بلکہ ہضم شدہ دولت اور پامال شدہ حقوق واپس دلاتا اور ڈر

Marfat.com

کے مارے تائب ہونے والوں کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرتا اور مظلوموں کو پورا پورا معاوضہ دلاتا ہے سیاسی انقلاب میں جو نظام احتساب سامنے آئے اس میں سلطان مراد اور غریب معمار ایک حیثیت رکھتے ہوں ، احتساب کے پھندے میں صدر کی گردن پھنسے یا کسی گورنر اور وزیر کی ، وہ وزیراعظم ہو یا سفیر محترم ہو انقلابی سوسائٹی میں کوئی رعایت کا مستحق نہیں اس موقع پر بے لاگ اور اٹل فیصلے تاریخ کا رخ پلٹتے ہیں ، کسی جرم کا ارتکاب ارباب اقتدار سے ہو یا رعایا سے دونوں قابل مواخذہ اور لائق احتساب ہیں ، سیاسی انقلاب اپنے بے لاگ احتساب کے ذریعے ہر طرح کے دباؤ اور ترغیب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکتا ہے ورنہ چند روز بعد زر اور اثر رکھنے والے اس سیاسی انقلاب کو واپس اسی نقطے پر پہنچا دیں گے جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔

۵۔ بیوروکریسی کی تشکیل نو :۔

"بیوروکریسی" یہ لفظ خواہ اس کے معنی و مفہوم سے کوئی آگاہ ہو یا نہ ہو اپنے لئے عوام کے ذہنوں میں بجز نفرت کے کوئی اور جذبہ پیدا نہیں کر سکا ، جب ہم سیاسی انقلاب کی بات کرتے ہیں تو اس کی زد میں بیوروکریسی بھی آئے گی ظاہر ہے سیاسی انقلاب عام آدمی کی فلاح اور ترقی کے لئے برپا ہو گا نہ کہ "سفید ہاتھیوں" کی پرورش و پرداخت کے لئے ایک خاص ذہن جو تشکیل پا چکا ہے کہ جو جتنا بڑا افسر ہے اتنا زیادہ منہ زور اور بے لگام ہے ، قانون افسروں کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ افسر قانون کی اطاعت کے لئے ، اس ذہن کو بیوروکریسی نے اپنے عمل کے ذریعے بطور خاص پروان چڑھایا ، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج قانون اور ادارے اشخاص و افراد کے مقابلے میں انتہائی کمزور ، بے بس اور بے وقعت ہو چکے ہیں اور یہ علامت کسی ملک اور قوم کے حتمی زوال کی ہوتی ہے۔

بیوروکریسی کو کسی حکومت اور ملک کا ناگزیر ادارہ یا طبقہ قرار دینا یہ بھی اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے جس نے حکومت کو خدمت کے بجائے اظہار قوت اور حصول دولت کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے ، کوئی فرد اور طبقہ

Marfat.com

کبھی کسی کے لئے ناگزیر نہیں قبرستان جا کر دیکھیں تو ہر قبر میں ایک "ناگزیر" سویا ہوا ہے جو سمجھتا تھا کہ میں نہ رہا تو بال بچوں کا، گھر کا، ملک کا کیا بنے گا؟ اس لئے وہ دھاندلی کرتا، آنکھیں دکھاتا، غبن کرتا، سازشیں کرتا، چالیں لڑاتا اور ظلم کرتا تھا مگر سب کو معلوم ہے کہ ان "ناگزیروں" سے قبرستان آباد ہو گئے، مگر دنیا اسی طرح آباد ہے کسی "ناگزیر" کے اٹھ جانے سے نظام کائنات ایک دن تو کیا ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکا۔

"سکندر اعظم" سے لے کر "گنگوا تیلی" تک سبھی اپنے اپنے خیال میں ناگزیر تھے مگر درحقیقت عوام کی مرضی ناگزیر ہوتی ہے جس کے بغیر نہ ملک چلتے ہیں اور نہ حکومتیں، جبکہ ہماری بدقسمتی کہ ہر سربراہ حکومت کے لئے بیوروکریسی ناگزیر اور عوام کی مرضی غیر ضروری بن گئی، اور یہ سوچ کسی المیئے سے کم نہیں۔

سیاسی انقلاب کے ذریعے ہر بڑا چھوٹا ملازم ایسا خدمتگار بن جائے جو مناسب معاوضے پر کاروبار حکومت رضاکارانہ جذبے کے تحت چلائے اور جس کا مطمح نظر فقط تنخواہ، الاؤنس، کروفر، مراعات، اور تعیش نہ ہو بلکہ حکومت کی مدد اور عوام کی تائید ہو، سیاسی انقلاب کی روشنی میں وضع ہونے والا نظام تاجرانہ ذہنیت کا حامل نہ ہو گا جو صرف تنخواہ، معاوضے اور روپے کے بغیر چلایا ہی نہ جائے، حکومت عوام کی امانت ہے، مال تجارت نہیں کہ جسے نفع و نقصان کی بنیاد پر حصص میں بانٹ دیا جائے اور ہر حصے کا مالک اپنی جگہ "سیٹھ صاحب" کہلاتا پھرے۔

۶۔ آزاد پالیسیاں :۔

ہر سطح پر اس کا اہتمام کیا جائے کہ ہماری پالیسیاں قوم و ملک کے مفاد میں تو ہوں مگر قلب و ضمیر کے مطابق ہوں کسی کی کفش برداری اور حاشیہ نشینی کے عوض نہ ہمیں کوئی حکومت قبول ہونی چاہئے اور نہ اقتصادی امداد، قومیں آج تک بھوک سے نہیں مریں، ان کی موت کا سبب جب بھی بنا بے غیرتی ہی بنا، معاشی دباؤ وغیرہ فرد اور قوم کو نڈھال ضرور کرتے ہیں مگر زندگی کی رمق انہیں ایک بار پھر کھڑا کر دیتی

Marfat.com

ہے مگر غیرت کا فقدان اور خوئے غلامی ، ناروا مصلحتیں ، ذاتی سہولتوں کی خاطر قرضے ، حقیر مفادات کے لئے سمجھوتے اور وابستگیاں ، مشروط اور رسوا کن معاہدے ، آزاد دماغ ، غنی دل ، بیدار مغز اور زندہ ضمیر قوموں کو کبھی راس نہیں آتے ، ایک نہ ایک دن اس کے تباہ کن نتائج سامنے آکر رہتے ہیں ، ان سب قباحتوں کا توڑ آزاد پالیسیاں ہیں ، جو عوام کی مرضی کی پابند مگر غیروں کے دباؤ سے آزاد ہوں ، آخر اس ملک کو کسی کا حاشیہ بردار ، اور جوتے کا تسمہ بننے کی کیا ضرورت ہے جس کے عوام محنتی ، ہنرمند اور محب وطن ہوں وہ روکھی روٹی تو کھا لیتے ہیں مگر کسی طاقتور کا روکھا لہجہ برداشت نہیں کرتے ، یہ عزم ہو تو ناکامیاں ، کامیابیاں میں بدل جاتی ہیں ، ہمارے خیال میں سیاسی انقلاب کے ذریعے ہم اپنے حکومتی ، اقتصادی اور سیاسی ڈھانچے میں استحکام پیدا کر سکتے ہیں۔

●●●

Marfat.com

”پریگماٹزم“ اور ”اپرچونزم“ میں فرق کیجئے

☼

اس ساری تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ سیاسی زعماء اپنے گندے کھیل کے لئے ”لفظ“ کی حرمت سے شغل نہ فرمائیں ، یہ سیاست کار بغیر ڈکار مارے اسمبلیاں کھا گئے ، ووٹ کا تقدس انہوں نے مجروح کر دیا ، لوگوں کے حقوق مار گئے ، پرمٹ اور لائسنس ہضم کر گئے ، سیاست کا وقار تک نیلام کر دیا ، یہ سب کچھ قوم سہہ گئی لے دے کے ”لفظ“ رہ گئے ان کی آبرو تو نہ لوٹیں ، ان کے بعد آخر نئی نسل نے پروان چڑھنا ہے معلم انہیں لفظ کے اصل معنی کیا بتائے گا اور وہ کیا سمجھیں گے اگر ”لفظ“ اتنا بے قدر ہو گیا ، ہمارے بچے کیا کہیں گے کہ بڑے اتنے بھوکے تھے کہ ملک کے ساتھ ساتھ لفظ کے اصل معنی بھی کھا گئے؟

●●●

Marfat.com

Marfat.com

آپ اس معاشرے کے ”قل شریف“ پڑھ لیجئے جس کی مجموعی زندگی حرف و معنی کے باہمی ربط اور لفظ کی حرمت سے محروم ہو چکی ہو ، بدقسمتی سے ہماری زندگی کا ”سیاسی پہلو“ اپنے قریب المرگ ہونے کی غمازی کر رہا ہے۔

تاریخ قدیم عربی قبائلی دور کو ”عہد جاہلیت“ سے موسوم کرتی ہے ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جاہلی دور تھا ، لیکن اس میں بھی ”لفظ“ اتنا بے حرمت نہیں تھا جتنا آج روشنی کے زمانے میں ہے ، جامعات کے عہد میں ہے اور ڈگریوں کے دور میں ہے ، اس زمانے میں لوگ اپنے منہ سے نکلے ہوئے لفظ کی لاج رکھنے کے لئے جان تک کی بازی لگانے کے روادار ہوتے تھے اور آج قلم کی سیاہی خشک ہونے اور کچھ کہتے وقت کھلا ہوا منہ بند ہونے سے پہلے پہلے لفظ اپنی معنویت ، اور حرف اپنی وقعت کھو چکا ہوتا ہے ، آثار قیامت میں ایک یہ بھی ہے کہ لفظ و حرف چوسی ہوئی گنڈیری بن جائیں ، اخباروں اور رسالوں میں اور دائیں بائیں اسی طرح الفاظ و حروف کے ”پھگ“ کا انبار نظر آتا ہے۔

ہر وہ شخص جسے اخبار بینی اور سیاسی حالات سے ذرا بھی شغف ہے اسے بخوبی معلوم ہے کہ ہمارے ”سیاسی زعماء“ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ فضول اور بے قیمت شے ”لفظ“ ہے خواہ وہ ان کی زبان سے نکلا ہو ، حتیٰ کہ وزارت عظمیٰ تک کے حلف کا ”لفظ“ بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیوں کہ ہم نے حلف کو معمولی سیاسی مفاد کی خاطر بیچ چوک نیلام ہوتے دیکھا ہے اور اس حلف کے الفاظ کی دھجیاں سڑک پر سے گزرتی بجلی کے تاروں سے لٹکی ہوئی دیکھی ہیں۔

جس طرح ”کنواری“ ماں اپنے ”نومولود“ کی وارث بننے کو تیار نہیں ہوتی اسی طرح ہمارے ”سیاسی رہنما“ اپنے الفاظ سے پیچھا یوں چھڑاتے ہیں جیسے یہ ان کا نہیں کسی اور کا ”گناہ“ ہے ایسے ، ماحول میں کوئی ”اصول“ ”استقامت“ ”نظریہ“ ”کمٹمنٹ“ اور ”ایثار“ کو

Marfat.com

کہاں سے ڈھونڈھے اور کیسے پائے؟

"PRAGMATISM" (پریگماٹزم) کا مطلب ہے "نظریہ عملیت" یا "مادی افادیت کا نظریہ" اور "OPRORTUNISM" "مصلحت پرستی" اور "ابن الوقتی" کو کہتے ہیں ، اس کا مفہوم مفاد پرستی بھی ہے۔

ہمارے سیاستدان ان دونوں الفاظ کو گڈمڈ کر کے اپنے مطلب کا مفہوم اخذ کرتے ہیں ، انہیں جب اپنے مؤقف سے ہٹنا پڑتا ہے تو فوراً "پریگماٹزم" کی دہائی دیتے ہیں کہ یہ واقعیت پسندی ہے ، عملی نقطہ نظر ہے افادی نظریہ ہے ، ہم خلاء میں نہیں رہتے ، حالات و واقعات کی روشنی میں کام کرنا اور قدم اٹھانا پڑتا ہے حالانکہ وہ اس وقت بدترین "اپرچونزم" (ابن الوقتی) کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں ، دراصل ان دونوں الفاظ کے درمیان نازک اور باریک سا فرق ہے اگر اسے ملحوظ نہ رکھا جائے تو دونوں کے ڈانڈے ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں اور اخلاقی فساد برپا کرتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاست مجرد "تصوریت" کا نام نہیں بلکہ سراسر "عملیت" ہے ، زندہ انسانوں کی سوسائٹی میں حالات کا مدوجزر ایک فطری عمل ہے اور کوئی عملی سیاستدان اس جوار بھاٹے سے الگ تھلگ ہو کر آسودہ ساحل نہیں بن سکتا بایں ہمہ سودے بازی ، جماعتی وفاداری کی تبدیلی ، ہارس ٹریڈنگ ، جماعتی منشور کی بیک جنبش قلم منسوخی ، عوام کے ساتھ کئے گئے وعدوں سے انحراف ، پارٹی میٹنگ اور پبلک میٹنگ میں موقف کا تضاد ، بنیادی سیاسی اخلاقیات سے گریز جماعت کے اساسی موقف کی تکذیب اور اپنے بیانات کی بار بار تضحیک اور تردید کسی "عملیت" کا مظاہرہ نہیں بلکہ سراسر ابن الوقتی ، مفادپرستی ، مصلحت کیشی اور غرض پسندی ہے ، ان ساری باتوں کو درست قرار دینے کے لئے خواہ کتنی منطق گھڑی جائے وہ عبث کوشش ہے ، اگر یہ سب کچھ "پریگماٹزم" ہے تو آخر "اپرچونزم" کسے کہتے ہیں؟

سیاسی واقعات اور سیاسی لیڈروں کے بیانات کا سارا ریکارڈ کھنگالنے کی ضرورت نہیں محض دوچار برس کے اندر کھائی جانے والی

Marfat.com

قلابازیاں بذات خود ایک ثبوت ہیں کہ ہمارے سیاستدان ہزار بار چولا بدل کر آئیں لیکن ان کے اندر کا چھپا ہوا "خودغرض" آدمی کسی کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتا۔

اس مفادپرستی کی رو میں دوسرے یا تیسرے درجے کے سیاسی کارکن ہی نہیں بہتے بلکہ صف اول کی قیادت سب سے پہلے تنکا بن کر بہنے کو آمادہ و مستعد نظر آتی ہے ، جنہیں خداتعالی نے سب کچھ دے رکھا ہے ہزاروں ایکڑ کی جاگیریں ، درجن بھر فیکٹریاں ، جرمنی ، فرانس ، امریکہ اور برطانیہ کی ڈگریاں ، ٹاون کمیٹی سے قومی اسمبلی تک کی ممبریاں اور وفاقی و صوبائی وزارتیں ، اس سب کے باوجود استسقاء کے مریض کی طرح مفادات کا پانی پیئے جا رہے ہیں ان کا پیٹ پھٹنے کو آ جاتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی۔

برطانیہ میں ایک بار نہیں متعدد بار ایک حکومت محض ایک ووٹ کی اکثریت کے بل پر اپنی میعاد وزارت پوری کرتی ہے لیکن یہاں پچاس ووٹوں کا فرق بھی کسی حکومت کو مستحکم نہیں ہونے دیتا ، امریکہ کا نیا صدر دو ماہ بعد وائٹ ہاوس میں داخل ہوتا ہے اس دوران میں کوئی سازش ، کوئی گٹھ جوڑ اور کوئی بدامنی پیدا نہیں ہوتی مگر ہمارے ہاں دو دن کا فرق پڑ جائے تو زمین تھرتھر کانپنے اور آسمان چرچر چیخنے لگ جاتا ہے اور ملکی حکومتی ڈھانچہ زلزلوں کی زد میں رہتا ہے۔

برطانیہ کو جنگ عظیم جیت کر دینے والا چرچل اگلے الیکشن میں ہارجاتا ہے کیوں کہ وہ زمانہ جنگ میں مفید تھا زمانہ امن کے تقاضے بالکل مختلف قرار پائے ، یہ "واقعیت پسندی" ہے ہمارے ہاں ایک حکومت کا رکن رکین اپنی حکومت کے برخاستہ ہونے پر نئی قائم ہونے والی مخالف وزارت میں "سینیئر وزیر" کا قلمدان سنبھال لیتا ہے یہ بدیہی طور پر "ابن الوقتی" ہے اس کا "عملی افادیت" اور "حقیقت پسندی" سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ہمارے یہاں فلاح عامہ کی معمولی سی سوسائٹی اتنی جلد رجسٹرڈ نہیں ہوتی جتنی دیر میں ایک قومی پارٹی رات کے مختصر سے حصے میں ہن سنور کر صبح کو اپنی وزارت تشکیل دے لیتی ہے اس حرکت مذبوحی کا

Marfat.com

"پریگماٹزم" سے کیا تعلق بنتا ہے؟

کچھ ہی برس میں "اپرچونزم" ایک سیاسی پیشہ بن چکا ہے، ۸۸ء میں مرحوم ضیاء الحق نے آٹھویں ترمیم کا کلہاڑا چلا کر حکومت کا بیخ و بن اکھیڑ ڈالا اور لطف یہ کہ جس پارٹی کی حکومت معطل کی گئی، اسی پارٹی کا پنجاب کا صدر پنجاب کا وزیراعلیٰ تھا اور اگلی نگران حکومت میں بھی وہی وزیراعلیٰ بنا، حتیٰ کہ اگلے چند دنوں میں نئے "حکومتی فریم ورک" میں "فٹ" ہونے کے لئے پارٹی کو دولخت کر دیتا ہے اور ایک دھڑے کا مرکزی سیکرٹری جنرل بن بیٹھتا ہے، اور آج خیر سے وہی ملک کے وزیراعظم ہیں، یادش بخیر! ہماری سیاسی تاریخ کا "آثار قدیمہ" نوابزادہ نصراللہ خان یو ڈی ایف (متحدہ جمہوری محاذ) سے لے کر پی این اے (پاکستان قومی اتحاد) تک بھٹو حکومت کو گرانے میں لگے رہے اور مارشل لاء لگوا کر دم لیا، ابھی مارشل لاء کی دودھ چھڑائی کی رسم ادا نہیں ہوئی تھی کہ ایم آر ڈی (تحریک بحالی جمہوریت) میں وہ بھٹو پارٹی کے دوش بدوش چلنے لگ گئے، اور پیپلز پارٹی کی ان کے بقول ساری "ملک دشمنی" یک بیک "وطن دوستی" میں تبدیل ہو گئی، ۸۸ء میں ایم آر ڈی تحلیل ہو گئی، اور انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی برسراقتدار آ گئی ایک بار پھر پیپلز پارٹی کا سینہ تھا اور نوابزادہ صاحب کے تیر تھے، جو مسلسل برس رہے تھے، ۹۰ء میں اس حکومت کی فاتحہ پڑھ کر نواب صاحب نے سکھ کا سانس لیا، اور کچھ ہی دن پہلے یہی نواب صاحب لانگ مارچ میں پی پی پی کو اخلاقی حمائت فراہم کر رہے تھے اور ایک ساتھ جلسہ جلوس ہو رہا تھا، اور اب پھر منظر بدلتا محسوس ہو رہا ہے دیکھئے یہ سیاسی "دردزہ" کیا جنم دیتا ہے؟

ادھر بیگم بے نظیر بھٹو ایم آر ڈی کی ساری قراردادوں، عوام کے ساتھ کے گئے وعدوں، بحالی جمہوریت کے نعروں اور رفقاء کی ہمدردیوں کو بھول بھال کر نوابزادہ نصراللہ خان کے مقابلے میں غلام اسحاق خان کو ووٹ دیتی اور انہیں دوبارہ منصب صدارت پر فائز کر دیتی ہیں، وہی غلام اسحاق خان جنہیں "باقیات ضیاء" میں نمایاں بلکہ اولین مقام حاصل ہے، جمہوریت کے ساتھ کمٹمنٹ "باقیات ضیاء" کو

Marfat.com

تہس نہس کرنے کے دعوے ، اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنے کے وعدے ، خالص عوامی حکومت کے قیام کی قسمیں ، یہ سب کے سب جہنم رسید ہو گئے ، ستم بالائے ستم کہ محترمہ نے جنرل اسلم بیگ کو "تمغہ جمہوریت" سے نوازا ، وہی فوج جو مسلسل بارہ برس تک تنقید کا پہلا اور کڑا ہدف بنی رہی اب دیکھتی آنکھوں سنتے کانوں جمہوریت کی محافظ اور نگہبان قرار پا گئی ، اس لئے کہ اس نے اقتدار کا ایک زینہ فراہم کر دیا تھا ورنہ فوج بدلی تھی ، اس کا مزاج بدلا تھا اور نہ ہی اس کا کردار بدلا تھا ، صرف کسی کا اقتدار بدلا تھا ، اور اس ظالم اقتدار نے بنیادی اقدار بدل کر رکھ دیں۔

سندھ کے وڈیرے غلام مصطفےٰ جتوئی نے قائد حزب اختلاف کا منصب سنبھالا اور اندر ہی اندر تبدیلی حکومت کی مہم شروع کر دی جو اگست ۹۰ ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اس دوران "شیر پنجاب" غلام مصطفےٰ کھر مسز بے نظیر کے مشیران خاص میں شامل تھے ، جونہی پی پی پی حکومت برخاست ہوئی جتوئی وزیراعظم بن گئے اور کھر صاحب اس نگران حکومت کے رکن رکین ، یعنی بجلی اور پانی کے وزیر ، اور نگران وزارت لینے والوں میں سب سے پہلے آدمی ، صدر نے جونہی حکومت کے خاتمے کا اعلان کیا ایک دو دن چھوڑ کر ائرمارشل اصغر خان بذات خود صدر کو اس امر اور اقدام پر مبارکباد پیش کرنے کے لئے ایوان صدر تشریف لے گئے ، ٹی وی کی خبر اور اخبارات کی سرخی ریکارڈ پر ہے ، انتخابات ہوئے ، نئی حکومت بنی ، یہ سارا عمل تین ماہ کے اندر اندر مکمل ہو گیا لیکن اسی عرصے میں ائر مارشل ، پیپلز پارٹی کے اتحادی بن گئے اور پی ڈی اے وجود میں آ گیا ، وہی اصغر خان جو ذوالفقار علی بھٹو کو ۷۷ ء کی تحریک میں کوہالہ کے پل پر پھانسی دینے کا بار بار واشگاف لفظوں میں اعلان کرتے رہے تھے ، جن کی معروف کتاب "جنرلز ان پالیٹکس" میں سقوط مشرقی پاکستان کے بڑے مجرموں میں بھٹو سرفہرست ہیں ، ہزاروں لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا ہو گا اور ان کے طرز استدلال اور فکر محکم سے محظوظ ہوئے ہوں گے۔

۹۰ ء میں بے نظیر حکومت برخاست ہوئی تو مسز بے نظیر نے

Marfat.com

اسے فوج اور صدر کی ملی بھگت اور سازش قرار دیا اور تابڑ توڑ حملوں کا آغاز کر دیا ، فوج وہی ۸۸ ء والی تھی اور حسن اتفاق کہ اس کے سربراہ مرزا اسلم بیگ بھی وہی تھے ، جو تمغہ جمہوریت کے حقدار ٹھہرے تھے ، مگر اب فوج اور اس کے سربراہ سازشی اور صدر مملکت جمہوریت دشمن بن گئے ، وہی صدر مملکت جو بے نظیر کی حمائت سے صدر بنے تھے اور بقول محترمہ جمہوریت کے استحکام اور ملک کے وسیع تر مفاد کی خاطر غلام اسحاق خان کو صدر چنا گیا ، جونہی مسز بے نظیر کی حکومت الوداع ہوئی ہے ''جمہوریت کا استحکام'' بے معنی اور ''ملک کا وسیع تر مفاد'' بھاڑ کی نذر ہو جاتا ہے ، اگست ۹۰ ء سے اگست ۹۲ ء تک کوئی رکیک اصطلاح ایسی نہیں جو صدر مملکت کے لئے استعمال نہ کی گئی ہو اور کردار کشی کی ایک مہم تھی جو تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی ، یہ وقت بھی گزر گیا۔

اب ایک نظر جناب غلام مصطفٰے جتوئی کے ''عملی کردار'' پر ڈال لی جائے ، موصوف کی نگران وزارت عظمی میں الیکشن ہوئے ، آپ نگرانی سے مستقل بننے کے آرزومند تھے ، مگر ان کے آبائی صوبے (سندھ) میں ان کی کارکردگی صفر رہی اس لئے اپنی پشت پر کوئی بڑی پارلیمانی حمائت نہ لا سکے اور آؤٹ ہو گئے ، میاں نواز شریف وزیراعظم بن گئے ، اور جتوئی قومی اسمبلی کے ممبر ، جتوئی کے صاحبزادے غلام مرتضٰی جتوئی نے نواز شریف حکومت میں وزیر مواصلات کا عہدہ سنبھالا ، سندھ کے وزیراعلٰی جام صادق علی انتقال کرتے ہیں تو جتوئی صاحب کی خواہش اقتدار پھر جاگ پڑتی ہے کہ چلو وزارت عظمی نہ سہی وزارت علیا نصیب ہو جائے ، جس طرح مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی اسی طرح کوئی وڈیرہ اقتدار کے بغیر جی نہیں سکتا خواہ وہ یونین کونسل کی چیئرمین شپ ہی کیوں نہ ہو؟ اسی ہوس اقتدار ہی کے تو سارے کرشمے ہیں جس نے ملک کو دولخت کیا ، محلاتی سازشوں کا جال بچھایا ، مارشل لاء کے لئے راہ ہموار کی ، صوبائی تعصبات کے کانٹے بوئے ، ون یونٹ کا طوق قوم کے گلے میں ڈالا ''جھرلو'' کو اصطلاح وضع کی ، ''سویلین مارشل لاء'' کو روشناس کرایا ، بھارتی ٹینکوں پر بیٹھ کر ملک فتح کرنے کے بہانے سجھائے

Marfat.com

، ایٹمی راز فاش کرنے کا گر سکھایا ، یہ سارے دھندے اسی ہوس نے پرورش کئے اور آج وطن عزیز کا نام دنیا میں گہنا سا گیا ہے ، غلام مصطفٰے جتوئی نے اپنے چھوٹے بیٹے مسرور جتوئی کو سندھ کی وزارت اعلیٰ کے لئے آگے کر دیا ، سازش کی کھچڑی پکی ، پیپلز پارٹی سے کانا پھوسی ہوئی ، آئی جے آئی کے اندر کڑھی ابلی مگر موصوف ناک آوٹ ہوگئے ، اور پھر زخمی ریچھ کی طرح درد اور انتقام کی آگ میں لوٹنے لگے ، انہیں اچانک یاد آیا کہ الیکشن ۹۰ ء میں تو زبردست دھاندلی ہوئی تھی ، زیادہ رہے کہ وہ خود اس وقت نگران وزیراعظم تھے) ، ادھر ان کا بیان چھپا ادھر ان کے بیٹے کو وفاقی وزارت سے برطرف کر دیا گیا ، اور پھر جتوئی پی ڈی اے کے قریب ہو گئے ، مسز بے نظیر سے ملاقاتوں کا طویل سلسلہ چل نکلا جتوئی صاحب نے ایک بار غضبناک ہو کر فرمایا تھا۔

"میں قبر میں جا سکتا ہوں پیپلز پارٹی کے ساتھ نہیں جا سکتا"

اب نہ معلوم جتوئی کے پاس اپنی اس بے اصولی ، بدعہدی ، اور دروغ بیانی کا کیا جواز ہے؟ آج بھی وہ کہہ رہے ہیں کہ "ملک کے وسیع تر مفاد" اور "جمہوریت کی بقاء کے استحکام" کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے ، ہم نے راتیں جاگ کر اس "وسیع تر مفاد" اور "جمہوریت کے استحکام" کا مفہوم جاننے کی کوشش کی ہے لیکن سچی بات ہے کہ ان سیاستدانوں کے علاوہ کوئی ان جملوں کا مطلب نہیں سمجھ سکا ، کہ "کہاں ملک خطرے میں ہوتا ہے اور کب وسیع تر مفاد شروع ہو جاتا ہے" اور اب کچھ ذکر ہو جائے پی ڈی اے کی سربراہ اور اپوزیشن لیڈر مسز بے نظیر بھٹو کا۔

زبان پہ بار خدا یہ کس کا نام آیا

محترمہ کی سیاسی قلابازیوں کی تاریخ اتنی ہی طویل ہے جتنی خود ان کی سیاسی عمر ، اپنے والد کی پھانسی کے بعد وہ سیاست میں قدم رنجہ ہوئیں ، اور پہلا "ٹاکرا" مرحوم ضیاء الحق سے ہوا ، وہ تو خیر گزری کہ ان کے مدمقابل جنرل ضیاء الحق تھے جو اپنی تمامتر آمرانہ خرابیوں کے باوجود نماز روزے والے آدمی تھے اور پشتینی وڈیرے نہیں تھے ورنہ کوئی "بھٹو سٹائل" آمر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوتا تو بھٹو فیملی کی یہ "سیاسی

Marfat.com

چکار" کب کی بدنامی اور رسوائی کے کباڑ خانے میں دفن ہو چکی ہوتی ۔ انہوں نے صرف قید و بند پر اکتفا کیا "فائل کھولنے" پر نہیں اترے جو بھٹو مرحوم کا مرغوب مشغلہ تھا ، ورنہ اخلاق و سیاست کے ٹانکے ادھڑ کر گلیوں بازاروں کے منڈیروں پر آویزاں نظر آتے ، مسز بھٹو ۸۳ ء کی تحریک بحالی جمہوریت کے دھوم دھڑکے کے بعد اچانک راتوں رات لندن پدھار گئیں ، اور کارکن بیچارے ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بن کر سراپا عبرت ہو گئے ، ۸۵ ء میں غیر جماعتی الیکشن ہوئے ، جونیجو حکومت بنی ، مارشل لاء ہٹا اور ۸۶ ء میں طوفان بداماں موصوفہ وارد وطن ہوئیں اور خزاں میں حکومت کے خاتمے کا الٹی میٹم دے دیا ، خزاں آئی اور گزر گئی ، بوسیدہ پتے جھڑ گئے اور نئے شگوفے پھوٹ نکلے مگر حکومت روائتی "گل محمد" کی طرح ذرا جنبش نہ کر سکی ، تا آنکہ ضیاء الحق کی حادثاتی موت نے بیگم بھٹو کے لئے سیاسی راستہ ہموار کر دیا ، اور وہ بیس ماہ کے لئے بر سر اقتدار آ گئیں ، جونہی آٹھویں ترمیم نے اپنا "اٹھا" لگایا حکومت یہ جا وہ جا ہو کر رہ گئی ، سیاست ایک بار پھر ، انتقام ، الزامات ، تنقید ، ناشائستگی ، اور سوقیانہ طرز عمل کی لپیٹ میں آ گئی ، صدر مملکت کی ذات ، آٹھویں ترمیم ، فوج ، آئی ایس آئی سب کچھ تنقید کی سانگ پر چڑھ گیا ، آئی جے آئی کی حکومت قائم ہوئی تو چاروں طرف سے شور اٹھا کہ موجودہ اسمبلیاں بوگس اور حکومت Illigtimate (ناجائز) ہے ، یہ راگ بہت ہی اونچے سروں سے الاپا جانے لگا ، اور اس لے میں دوسری اپوزیشن جماعتوں کا تال بھی شامل ہو گیا ، مسلسل بائیس ماہ اس گلوکاری کا مظاہرہ ہوتا رہا ، بوگس اسمبلیاں بھی قائم رہیں ، بوگس کہنے والوں کی ممبریاں بھی موجود رہیں اور قوم کے خزانے سے بھتہ بھی پوری یکسوئی اور خشوع و خضوع کے ساتھ وصول ہوتا رہا ، حتیٰ کہ لانگ مارچ کا موسم آ گیا ، اور "دو چار دن" کی باتیں ہونے لگیں ، ہاں یہ ذہن میں رکھئے کہ بیگم بے نظیر کے شوہر کے خلاف دائر ریفرنسوں کے اوپر نیچے دو تین فیصلے آ گئے اور ان کے حق میں فیصلے ہوئے ، محترمہ کی چھٹی حس نے رہنمائی کی کہ کہیں اس "رعائت" کے پیچھے خوفناک طوفان نہ چھپا ہو اور شوہر نامدار کسی بڑے

Marfat.com

اور برے فیصلے کا شکار نہ ہو جائیں ، اور یہ چھوٹے موٹے فیصلے "لولی پاپ" نہ ہوں اس خدشے کے پیش نظر لانگ مارچ شروع ہوا تاکہ دباؤ بڑھا کر حکومت کی توجہ حاصل کی جائے اور موت دکھا کر بخار پر راضی کر لیا جائے۔

لانگ مارچ کیا تھا ایک سیل بلا کا رنگ لئے ہوئے تھا ، تجزیہ سے اور تبصرے اس غضب کے تھے کہ محترمہ کو بھی خوش فہمی لاحق ہو گئی کہ وہ ماؤزے تنگ ، امام خمینی اور کوری اکینو کی طرح تاریخ سیاست کا یادگار کردار بن جائیں ، اس پورے لانگ مارچ میں صدر کے لئے عافیت کا پہلو تھا کہ مسلسل بائیس ماہ وہ جس طعن و تشنع کا نشانہ بن رہے تھے لانگ مارچ کے اس عمل میں اپوزیشن کے لیڈروں نے ایک بار بھی صدر کا نام نہیں لیا اور کوئی کارکن نعرہ لگا دیتا تو یہ شرما جاتے ، اور منہ دوسری طرف کر لیتے ، "یاران خلوت" تو اسی ایک ادا سے ساری کہانی سمجھ گئے لیکن کارکن بیچارا ارسطو اور افلاطون نہیں ہوتا اور اسے عقل سکھائی بھی کب گئی ہے؟ کارکن کو تو صرف خودسوزی ، کارٹون بننا ، ہانگرے بازی ، لڈی ، زندہ باد ، مردہ باد ، واہ اور ٹھاہ ہی سکھایا گیا ہے موصوفہ نے "ہم الٹ دیں گے" "ٹکرا جائیں گے" "بھاگنے نہیں دیں گے" "شہید ہو جائیں گے" "سمجھوتہ نہیں کریں گے" "اکھاڑ کر دم لیں گے" جیسے نعروں سے لانگ مارچ کا آغاز کیا ، تناؤ کے اس عالم میں ایک شب خبرنامے میں اعلان ہوا کہ مسز بے نظیر بھٹو کو قومی اسمبلی کی خارجہ امور کی مجلس قائمہ کا چیئرمین منتخب کر لیا گیا ، وزیر خارجہ صدیق کانجو نے نام تجویز کیا اور وزیراعظم کے بھائی میاں شہباز شریف نے تائید کی اور یوں

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

مگر خون کا ایک قطرہ نکلا اور "ٹمپریچر" یکدم "ڈاؤن" ہو گیا اور اپنے اور بیگانے کہتے رہ گئے۔

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا

اس سارے قصے میں اندر کیا تھا اور باہر کیا ہے؟ ہمیں اس سے غرض نہیں لیکن اس ساری مفاہمت کو "عملیت پسندی" کہہ کر لوگوں

Marfat.com

سے منوانا ایک لطیفے سے کم نہیں ، اور بات پھر وہی کہ "جمہوریت کے استحکام اور ملک کے وسیع تر مفاد" کا یہ تقاضا تھا ، سوال یہ ہے کہ جب اسمبلیوں کو بوگس قرار دے کر اپنے ارکان سے استعفیٰ طلب کئے جا رہے تھے ، غیر ملکی ٹیلیویژن پر ایٹمی پیش رفت کے حوالے سے انٹرویو نشر کئے جا رہے تھے ۔ دسمبر ۹۱ ء میں پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے سالانہ صدارتی خطاب کے دوران ڈیسک پیٹے جا رہے تھے اور اسمبلی کو دنیا کے سامنے اغوا کہ بنایا جا رہا تھا ، لانگ مارچ کی کال دی جا رہی تھی ، اسلام آباد کا گھیراؤ کیا جا رہا تھا ، ملک توڑنے کے الزامات عائد کئے جا رہے ، بیرونی سرمایہ کاروں کے حوصلے پست کرنے کے لئے غیر ملکی اغواء کئے جا رہے تھے تو اس وقت جمہوریت کا استحکام اور وسیع تر ملکی مفاد کس کونے میں دبکا ہوا تھا؟ جواب یکایک باہر آ گیا ہے ۔

دوسری طرف حکومت کی جانب سے حزب اختلاف کو ملک دشمن ، وطن کے غدار ، جمہوریت کے قاتل ، امن کے مخالف ، غیر ملکی ایجنٹ اور ملکی سلامتی کے درپے قرار دیا جا رہا تھا تو اب وہی اپوزیشن لیڈر راتوں رات کیسے محب وطن ، جمہوریت کا ناگزیر حصہ ، قابل احترام ، اور لائق اعتماد ٹھہر گئیں ، یہ اگر "عملیت پسندی" ہے تو "ابن الوقتی" کے لئے کون سا حوالہ موزوں ہو گا؟ اگر ہمارے سیاستدانوں کی بات کا آغاز ملک دشمنی کے لفظ سے ہو گا تو انجام کے لئے الفاظ کہاں سے ڈھونڈھے جائیں گے ، لغت کی ساری کتابیں تو اس کے بعد جواب دے جاتی ہیں ۔

اس ساری تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ سیاسی زعماء اپنے گندے کھیل کے لئے "لفظ" کی حرمت سے شغل نہ فرمائیں ، یہ سیاست کار بغیر ڈکار مارے اسمبلیاں کھا گئے ، ووٹ کا تقدس انہوں نے مجروح کر دیا ، لوگوں کے حقوق مار گئے ، پرمٹ اور لائسنس ہضم کر گئے ، سیاست کا وقار تک نیلام کر دیا ، یہ سب کچھ قوم سہہ گئی لے دے کے "لفظ" رہ گئے ان کی آبرو تو نہ لوٹیں ، ان کے بعد آخر نئی نسل نے پروان چڑھنا ہے معلم انہیں لفظ کے اصل معنی کیا بتائے گا اور وہ کیا سمجھیں گے اگر "لفظ" اتنا بے قدر ہو گیا ، ہمارے بچے کیا کہیں گے کہ بڑے اتنے بھوکے تھے کہ ملک کے ساتھ ساتھ لفظ کے اصل معنی بھی کھا گئے؟ ●●

Marfat.com

خبر لیجئے! قوت برداشت ختم ہو رہی ہے۔

☼

جب مظاہرہ اور جلوس ختم ہوتا ہے تو باہر نکل کر آدمی یوں محسوس کرتا ہے کہ یہاں سے کوئی سیاسی لیڈر اپنا جلوس لے کر نہیں گزرا، بلکہ بھوت بلاؤں کا ایک غول تھا جو یہاں سے ہو کر گیا کیوں کہ سڑک پر ٹائروں کا دھواں، روڑے، پتھر اور اینٹ کا انبار، کاروں، ٹریفک سگنلز، سائن بورڈ کے شیشوں کی کرچیاں، ٹوٹی پھوٹی سائیکلیں، الٹی ہوئی ریڑھیاں نظر پڑتی ہیں کوئی شخص جی کڑا کر کے سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر مظاہرے اور جلوس کا منظر دیکھے اور نعروں کی زبان سنے تو گویا وہ جلوس نہیں قوم کے اخلاق کا "فلوس" نکلا ہوتا ہے

●●●

Marfat.com

Marfat.com

اگر کسی قوم کی نفسیات کو سمجھنا ہو تو اس کا مذہبی رویہ ، انداز سیاست ، نظام معیشت اور طرز معاشرت دیکھ لیا جائے ، اندازہ ہو جائے گا کہ یہ قوم کیا ہے؟ رحمدل ہے یا خونخوار ، مصنف مزاج ہے یا ظالم ، مثبت قدروں کی امین ہے یا منفی رویوں کی حامل ، حوصلہ مند ہے یا اتھلے پن کی مریض ، سنجیدہ ہے یا کھلنڈری ، علم پرور ہے یا جہالت مآب ، مستقل مزاج ہے یا "ڈنگ ٹپاؤ" امن پسند ہے یا مار دھاڑ کی رسیا ، ماضی پرست ہے یا مستقبل بین ، صاحب حال ہے یا صاحب قال ، پہلو میں دل رکھتی ہے یا فقط کھال مست ، فکر فردا کی عادی ہے یا محض محو غم دوش ، روایات کی پاسبان ہے یا خرافات میں گم؟

تمام تر خوش فہمی کے باوجود بدقسمتی سے ہماری قوم رفتہ رفتہ دامن صبر اپنے ہاتھ سے چھوڑ رہی ہے اور انجام کار ایک پیش پا افتادہ حقیقت ہے ، جس کا بہت جلد سامنا کرنا پڑے گا ، سقراطی بکھیرے اور بقراطی بگھارے بغیر یہ حرف برہنہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میزان عمل میں ہمارا منفی پلڑا جھکتا اور مثبت پلڑا اٹھتا دکھائی دیتا ہے ، ابھی وقت ہے کہ جذبات ، حسد ، حرص ، ہوس اور اندھے شوق کی لگام قابو میں کر لیں ورنہ ہاتھ باگ پر رہ جائے گا اور نہ پاوں رکاب میں!

حالیہ برسوں میں جہاں ہمارا ملک افراط زر کی لپیٹ میں آیا ہے ، سیاسی استحکام کا شکار ہوا ہے ، بے راہروی کا شکار ہوا ہے ، مانگے تانگے کی معیشت کا عادی بنا ہے ، قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہے ، اور علم و فضل سے محروم ہوا ہے وہاں سب سے زیادہ سنگین مرض اسے یہ لاحق ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ فرد اور سوسائٹی کی قوت برداشت میں خوفناک حد تک کمی ہوئی ہے ، جو کسی طور اچھی علامت نہیں ، مذہب جس کا بنیادی فریضہ مہذب بنانا ہے سب سے زیادہ غیر مہذب زبان اہل مذہب کے ہاں رائج ہے ، کفر ، شرک ، بدعت ، واجب القتل ، مرتد ، ملعون ، گستاخ ایسے الفاظ ان کے منہ سے روزمرہ محاورے کے طور پر نکلتے ہیں ، جلسہ گاہ میں سٹیج کے عقب میں "یا اللہ مدد" "المدد یا نبی" اور "یا

Marfat.com

علی رضی اللہ عنہ مدد" کے بڑے بڑے بینر آویزاں ہوتے ہیں لیکن اسی جگہ رونق افروز منبر بزرگ کے دائیں بائیں "کلاشنکوف بردار" محافظ ایستادہ ہوتے ہیں۔

موضوع سخن حضور ﷺ کا عفو و درگذر ہوتا ہے اور خطیب شہر اپنے مخالفوں کے قتل کے فتوے جاری اور قتل کرنے والے کے لئے جنت کے ٹکٹ بانٹ رہے ہوتے ہیں ، اشتہار میں مقرر کے نام کے ساتھ "شیریں بیاں" لکھا ہوتا ہے اور سٹیج پر اسی مقرر کی چیخم دھاڑ سے کان کے پردے اور لاوڈ سپیکر کے بگل پناہ مانگ رہے ہوتے ہیں۔

عنوان تقریر ہوتا ہے "اسلام تلوار سے نہیں اخلاق سے پھیلا ہے" اور جلسے کا اختتام خشت باری بلکہ بعض اوقات گولی چل جانے پر ہوتا ہے ، اور مسجد و محراب کے وارث کم از کم ایک رات حوالات میں ضرور گزارتے ہیں ، زوال فکر و عمل کی حد یہ ہے کہ بازار اور مسجد کے اندر انداز گفتگو میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا ، یہ قوت برداشت کی کمی نہیں تو اور کیا ہے کہ مذہب کے نام پر ملک کا ہر دوسرا شہر "بدر و حنین" کا نمونہ بنا ہوا ہے ، پہلے جس طرح کفر اور اسلام برسر پیکار تھے آج دونوں جانب کلمہ گو مورچہ بند ہیں اور ایک دوسرے کو خدا اور رسول کے نام پر قائل نہیں بلکہ قتل کر رہے ہیں ، اور لادین عناصر کو ٹھٹھے اور استہزاء کا ایک مستقل موضوع ہاتھ آ گیا ہے۔

وحدت و اتحاد کی ہزار بنیادیں موجود ہونے کے باوصف لڑائی کا ایک بہانہ پانی پت کا ایک محاذ کھول دیتا ہے ، ہمارے خیال میں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارا چونکہ اسلام پر کچھ خرچ نہیں آیا بلکہ الٹا اسلام نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے شاندار خانقاہیں ، سنگ مرمر کے دارالعلوم ، قالین اور فانوس سے آراستہ مسجدیں ، جلسوں کے لئے سجے سجائے پنڈال ، نعروں کی گونج ، نذرانوں کی بہتات ، یہ سب کچھ اسلام کا صدقہ ہے ، چونکہ خرچ کچھ نہیں اٹھا اس لئے دین اور رجال دین کی بے وقعتی ، غریب الوطنی اور کمزوری پر ہمیں کوئی ترس نہیں آتا جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ ، صحابہ ، فقہاء ، صوفیاء ، اور علماء نے جانیں لڑا کر دین کا رعب جمایا اور اس کی آبرو کو بچایا تھا اسی لئے ان کے ہاں

Marfat.com

برداشت ، رواداری ، حوصلہ ، تحمل ، عفو ، گریز ، ایسے اوصاف موجود تھے ، انہوں نے ایک ایک کر کے مسسلمان بنایا اور مشکل سے ایک امت تشکیل پائی ہمیں کروڑوں مسلمان بیک وقت مل گئے اس لئے انہیں دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں مفت اور فالتو مال کے لئے واقعی دل بے رحم بن جاتا ہے ، محنت کی کمائی پر آدمی اتنا دھیان دیتا ہے جس طرح چیل اپنے بچوں پر پہرہ دیتی ہے ، اگر مذہبی حلقے برداشت کھو بیٹھے تو انسانیت کو تہذیب کا درس کون دے گا "
جہاں تک کوچہ سیاست کی بات ہے تو اس میں اتنا کیچڑ بھر گیا ہے کہ کوئی شریف آدمی اپنے کپڑے جتنے چاہے سمیٹ لے آلودہ ہونے سے نہیں بچا سکتا ، ہمارا سیاسی "کلچر" صدفی صد "کیچڑ" بن کر رہ گیا ہے ، نجانے گالی اور سیاست میں چولی اور دامن کا ساتھ کیوں بن گیا ہے؟
جس طرح کسی زمانے میں ملک فتح ہوتے اور فوجیں شہر میں داخل ہوتیں تو ہر کوئی اپنے گھر کے کواڑ بند کر لیتا تھا کیونکہ قتل ، غارت ، لوٹ مار اور ہر شے کو تہس نہس کر دینا یہ فاتح فوج کا حق اور فیشن سمجھا جاتا تھا اسی طرح آج اگر کہیں سیاسی مظاہرہ اور جلوس جلسہ ہو تو بازار ، سڑکیں اور مکان وہی منظر پیش کرتے ہیں اس لئے کہ مظاہرے کا مطلب توڑ پھوڑ ، جلوس کا مقصد ہلڑبازی اور جلسے کا مفہوم گالم گلوچ ہے ، جونہی کہیں مظاہرے کا آغاز ہوتا ہے ہر کوئی اپنی دکانوں کے شٹر گرانے لگ جاتا ہے ، لوگ اپنی اپنی سواریاں بھگا لے جاتے ہیں ، گھروں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں ، مائیں اپنے بچوں کو ڈھونڈھ کر گھر لاتی ہیں اور ورد زبان ہوتا ہے۔

جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو

جب مظاہرہ اور جلوس ختم ہوتا ہے تو باہر نکل کر آدمی یوں محسوس کرتا ہے کہ یہاں سے کوئی سیاسی لیڈر اپنا جلوس لے کر نہیں گزرا ، بلکہ بھوت بلاؤں کا ایک غول تھا جو یہاں سے ہو کر گیا کیوں کہ سڑک پر ٹائروں کا دھواں ، روڑے ، پتھر اور اینٹ کا انبار ، کاروں ، ٹریفک سگنلز ، سائن بورڈ کے شیشوں کی کرچیاں ، ٹوٹی پھوٹی سائیکلیں ، الٹی ہوئی ریڑھیاں نظر پڑتی ہیں کوئی شخص جی کڑا کر کے سڑک کے

Marfat.com

کنارے کھڑا ہو کر مظاہرے اور جلوس کا منظر دیکھے اور نعروں کی زبان سنے تو گویا وہ جلوس نہیں قوم کے اخلاق کا "فلوس" نکلا ہوتا ہے، فلاں کتا ہائے ہائے، زانیو، شرابیو، پیٹ پھاڑ دو، سر توڑ دو، زبان کھینچ لو، ٹانگیں کاٹ دو، ہاتھ مروڑ دو، وغیرہ قسم کے مختلف نعرے رونق زبان ہوتے ہیں، اور اس طرح قوم کی سیاسی تربیت ہو رہی ہوتی ہے اور لیڈر صاحب درمیان میں بتیسی نکال کر فاتحانہ مسکراہٹ بلکہ "غراہٹ" فرما رہے ہوتے ہیں، اور اپنی سیاسی کارکردگی کی داد آنکھوں ہی آنکھوں میں وصول کر رہے ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ فرما رہے ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ جلوس پرامن ہے، ہم نے اب تک بہت برداشت کیا ہے، ہمیں احتجاج کا جمہوری حق ہے، معلوم نہیں امن کی یہ کون سی قسم ہوتی ہے کہ بجز لیڈر کے سب کی جان اور دکان خطرے میں ہوتی ہے اور ان کی برداشت کا کھلا ثبوت تو آتش زدہ اومنی بسیں، ٹوٹی ہوئی دکانیں اور دھوئیں سے بھری ہوئی سڑکیں ہوتی ہیں۔

راستے میں کوئی سیاسی مخالف نظر آیا تو اب نہ اس کی ٹوپی سلامت اور نہ ٹانگیں محفوظ! اس کی دکان دکھائی دی تو پل بھر میں تہس نہس، گھر راہ پڑا تو "سیاسی کارکن" اس پر پل پڑے، دفتر سامنے آیا تو بورڈ کی خیر اور نہ کرسی میز کی خیر! ہمارے ارباب سیاست بتائیں گے کہ قائداعظم" اسی طرح سیاسی رہنما بنے تھے؟ لیاقت علی خان کے یہی اطوار تھے؟ مولانا محمد علی جوہر" اسی زبان میں بولتے تھے؟ مولانا ابوالکلام" اسی طرح سیاست کرتے تھے؟ مولانا حسرت موہانی" کے جلوس اسی رنگ کے ہوتے تھے؟ مولانا ظفر علی خان" کا لب و لہجہ یہی ہوتا تھا؟ علامہ اقبال" بھی تو سیاسی لیڈر تھے ان کا شیوہ کیا تھا؟ نواب بہادر یار جنگ" کی خطابت کا یہی رنگ ہوتا تھا؟ شیر بنگال مولوی فضل الحق" کچا کھا جانے کی بات کرتے تھے؟ منٹو پارک کا جلسہ قرارداد لاہور اسی طرز کا تھا؟ فاطمہ جناح کی انتخابی مہم اسی ڈھنگ کی تھی؟ ہرگز نہیں۔

یہ سب بدعات ہمارے ان اتھلے، کچے پکے" اور بے صبرے سیاسی لیڈروں کی ایجاد ہیں جو صلاحیت سے نہیں اپنی قوت سے لیڈر بننا چاہتے ہیں، علم و فضل سے نہیں روپے پیسے پر سیاست کرنا چاہتے ہیں،

Marfat.com

قومی مسائل کے حوالے سے نہیں ذاتی محرومیوں کی بنیاد پر سیاسی دکان چمکانا چاہتے ہیں ، کہاں وہ سیاست جو "شیوہ پیغمبری" ہے اور کہاں یہ سیاست جس کا شجرہ نسب تک معلوم نہیں ، ہم نے انگریز سے وطن کیا لیا لوٹ مار کا پرمٹ لے لیا ہے ، آزاد کیا ہوئے قوم کے لئے "آزار" بن گئے ، خودمختاری کیا حاصل کی "مردم بیزاری" کو شیوہ بنا لیا ، ہندوؤں سے نجات کیا ملی "غنڈوں" سے پالا پڑ گیا۔

ہماری سیاسی دنیا کی قوت برداشت کا یہ حال ہے کہ پارلیمنٹ مباحثے کا فورم ہے ہم نے اسے "مجادلے" کا مرکز بنا دیا ، جمہوریت ڈائیلاگ کا نام ہے ہم نے اسے "ڈانگ" بنا ڈالا ہے ، "الیکشن" رائے معلوم کرنے کا طریقہ ہے ہم نے اسے "ایلیگیشن" بنا ڈالا ہے ، مظاہرہ "جذبات" کے اظہار کے لئے ہوتا ہے ہم نے اسے "مغلظات" کا اشتہار بنا ڈالا ہے ، جلوس بطور احتجاج ہوتا ہے ہم نے اسے "تاخت و تاراج" بنا ڈالا ہے ، سیاست دراصل مسائل کو سمجھنے کا نام ہے اور ہم نے اسے فقط "الجھنے" کا نام دے ڈالا ہے ، ارباب اقتدار اپنے پانچ سالوں میں دوسروں کو تہس نہس کرنے کے عزائم رکھتے ہیں اور حزب اختلاف پانچ برس تک ٹانگ کھینچنے میں لگا رہتا ہے ، سیاسی حوالے سے عدم برداشت کا یہ عالم ہے کہ جنرل الیکشن ہو یا کوئی ضمنی انتخاب ، ہر دو طرف سے فوج کی نگرانی میں انتخاب کا مطالبہ ہوتا ہے اور فی الواقع الیکشن کے روز پولیس ، رینجرز ، فوج اور ریزرو فورس کی تعداد دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آج ووٹ نہیں ڈالے جا رہے بلکہ کسی دشمن کا فوجی حملہ روکا جا رہا ہے اگر ایسا نہ ہو تو کشتوں کے پشتے لگ جانا عین ممکن ہے ، سیاسی میدان اگر بے صبری اور عدم برداشت کا یہ منظر پیش کرے تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں رواداری کیسے آئے گی؟

کچھ یہی حال ہمارے نظام معیشت کا ہے قناعت ، کفائت ، بچت ، ضبط ، دیانت ، یہ سب الفاظ اس نظام کی لغت سے خارج ہو چکے ہیں ، ہم کسی کاروبار میں منافع کے لئے ایک برس انتظار نہیں کر سکتے ، ہم کاروبار کو جائز حدود میں رکھنے کے لئے ذرا حوصلہ نہیں دکھا سکتے ، ہم تجارت میں دیانت کا صبر آزما تجربہ نہیں کر سکتے ، قدم قدم پر ہماری

Marfat.com

قوت برداشت جواب دے جاتی ہے ، خواہ اس کے ساتھ ساتھ دیانت ، ایمانداری ، ضمیر ، انسانیت ، خیر سبھی جواب دے جائیں ، منافع منشیات فروشی سے ملتا ہے تو یہ کام ہمیں مرغوب ہو گا ، کاروبار کو ناجائز حدود تک لے جانے میں اگر رشوت دینی پڑے تو دے دیتے ہیں ، تجارت میں دیانت اگر تھوڑا منافع دے تو دیانت کو رخصت کر دیتے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی ، ملاوٹ ، نمبر دو مال ، سمگلنگ ، اور چور بازاری یہ سب ہماری عدم برداشت کے مکروہ مظاہر ہیں ، بالکل معمولی سطح پر ہمارے کھانے پینے کے انداز میں قوت برداشت کی کمی نمایاں ہوتی ہے ، شادی بیاہ میں کھانے کی تباہ کاریاں ، دھکم پیل ، ہلڑ بازی اور چھینا جھپٹی ہماری حد سے بڑھی ہوئی ہوس کا پتہ دیتی ہیں کہ شائد یہ کھانا زندگی کا آخری کھانا ہے اس کے بعد ملے کہ نہ ملے!اربوں روپے کی فیکٹری سے لے کر چھوٹی ریڑھی تک کے نظام میں ایک بے حوصلگی ، اور عدم رواداری کے عناصر داخل ہو گئے ہیں ، خداوند عالم اپنے پاس تمام طاقتیں رکھنے کے باوجود ایک پودے ، بوٹے اور درخت میں مہینوں اور برسوں کے بعد پھل ، پھول اور میوہ اگاتا ہے مگر ہم ایک ہی دن میں ہر ٹہنی پر پھل اگا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں خواہ وہ کتنا مصنوعی کیوں نہ ہو؟

رہی ہماری معاشرت تو اللہ کی پناہ!ایام جاہلیت تو ویسے بدنام ہو گئے وہ دور ہم سے زیادہ کینہ پرور ، منتقم ، خون آشام ، تھڑدلا ، کم ظرف ، جفاکش اور مغلوب الغضب تو نہیں ہو گا ، آج کسی ہمسائے کے گھر دو کرسیاں زائد نظر آ گئیں ، تو ہمارے پیٹ میں قراقر اٹھ پڑتا ہے ، کسی کے ہاں قالین بچھ گیا تو ہمارے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے ، کسی کے گھر کا کنگرہ ذرا اونچا ہو گیا تو ہماری ناک فوراً نیچی ہو جاتی ہے ، کسی کے گھر شادیانے بج گئے تو ہمارے ہاں مرثیے شروع ہو گئے ، کسی کو رزق کی فراخی مل گئی تو ہمارے دل تنگ ہونے لگ جاتے ہیں ، کسی کے چہرے پر لالی دیکھی تو ہمارا منہ فوراً زرد ہو جاتا ہے ، آخر یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟وہی عدم برداشت کی بیماری ، جس نے ہمارا سکون چاٹ لیا ہے ، وڈیرا مزارعوں کے خون کا پیاسہ ، چودھری غریبوں کی عزت کا ڈاکو ، افسر ماتحت کی عزت نفس کا دشمن ، کارخانہ دار مزدوروں کی

Marfat.com

معاش کا قاتل ، بڑا چھوٹے کا حریف ، یہ نقشہ کس معاشرے کا ہے؟ یہ ہمارے معاشرے کا ہے جو روزبروز ذہنی اور نفسیاتی طور پر سکڑتا اور سمٹتا جا رہا ہے ، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خود اپنے وجود میں سمانا چاہیں تو ہمارا وجود ہی ہمیں اپنے اندر نہ سمو سکے ، تنگی اس قدر بڑھ چکی ہو۔

سواریاں کنڈیکٹر سے الجھی ہوئی اور طلبہ ڈرائیور سے دست و گریبان! دس روپے کے لین دین پر قتل اور فساد؟ مرغوں کی لڑائی پر انسانوں کی جنگ ، گاڑی آگے نکالنے پر اسلحہ نکال لینا ، آنکھیں دکھانے پر جان نکال لینا ، بات کرنے پر زبان کھینچ لینا ، ہاتھ اٹھانے پر کلاشنکوف اٹھا لینا ، ہنسی مذاق پر سینہ چاک کر دینا ، یہ سب کچھ کیا ہے؟ یقیناً قوت برداشت کی کمی ہے ، دور جاہلیت میں بھی تو پانی کی باری پر قتل ہوتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں ، جاہلی دور اور سائنسی عہد میں کیا فرق رہا؟ زمانہ تاریک میں ناک اور مونچھ کا مسئلہ تھا آج عہد جدید میں بھی یہی مسئلہ ہے اتنی صدیوں کے ارتقاء کا کیا فائدہ ہوا؟

آخر ہم کب تک کسی کا پکا مکان دیکھ کر اپنا کچا کوٹھا گراتے رہیں گے؟ کسی کا بیٹا دیکھ کر اپنی بیٹی زندہ درگور کرتے رہیں گے؟ کسی کی عزت دیکھ کر اپنی ذلت کا سامان کرتے رہیں گے؟ کسی کا نام دیکھ کر خود کو بدنام کرتے رہیں گے؟ کسی کو ہنستا دیکھ کر آنسو بہاتے رہیں گے؟

کوئی فرعون آج تک عمر بھر "بنی اسرائیل" کو اپنا غلام نہیں رکھ سکا ہم کیوں ہر ایک کو غلام بنائے جانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟ کوئی نمرود کسی "ابراہیم" کو نذر آتش نہیں کر سکا ہم کیوں ہر ایک کے لئے جہنم دہکائے بیٹھے ہیں؟ کوئی قارون کسی "موسیٰ" کے رزق کو نہیں روک سکا ہم کیوں ہر ایک کی روزی پر پھن پھیلائے بیٹھے ہیں؟ کوئی امیہ بن خلف کسی "بلال" کو زیر نہیں کر سکا ہم کیوں ہر ایک کے لئے زنجیریں سجائے بیٹھے ہیں؟ کوئی جہانگیر کسی "مجدد" کا راستہ نہیں روک سکا ہم کیوں ہر ایک کے لئے باڑھ لگائے بیٹھے ہیں؟ جب یہ سب تاریخ کے مستند حوالے ہیں تو ان حوالوں سے ہم کیوں منہ چھپائے بیٹھے ہیں؟ مذہب اپنے اندر "تبلیغ" ، سیاست اپنے اندر "تدبیر" معیشت اپنے اندر "تنظیم" اور معاشرت اپنے اندر "تہذیب" پیدا کرے اسی سے

Marfat.com

انسان "خلیفہ الارض" قرار پاتا ہے ، تبلیغ ہو یا تدبیر ، اور اسی طرح تنظیم ہو یا تہذیب یہ ساری چیزیں برداشت سے منسلک ہیں ، اگر کسی سوسائٹی میں قوت برداشت ہی نہ رہے تو پھر رہے نام اللہ کا!

Marfat.com

شریف لوگ سیاست میں کیوں نہیں آتے؟

☼

وہ افراد جن کی امانت، دیانت، اہلیت اور صداقت پر اہل وطن نچھاور ہوتے ہیں جونہی ان میں سے کوئی سیاست میں قدم رکھتا ہے اس کا ڈھول پٹ جاتا ہے، اور وہ دور کی کوڑیاں لائی جاتی ہیں کہ جو باتیں کراماً کاتبین اپنے دفتر میں نہیں لکھ پاتے وہ دنیا کے منکر نکیر اخبارات میں لے آتے ہیں، گویا ہمارے معاشرے نے طے کر رکھا ہے کہ دائرہ سیاست سے باہر جو چاہے اپنی اہلیت، صلاحیت اور قابلیت کا لوہا ہم سے منوا لے اور اپنی صداقت اور لیاقت کا ہم سے کلمہ پڑھوا لے لیکن وہ سیاست میں آیا تو اسے اپنا شجرہ نسب سننا پڑے گا۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

ہمارے ہاں سوچ کے دو دھارے چل رہے ہیں، ایک سوچ یہ ہے کہ "شریف لوگوں کا سیاست سے کیا کام اور واسطہ"؟ اور دوسری سوچ یہ ہے کہ "شریف لوگ خود آگے بڑھ کر سیاست میں کردار ادا کیوں نہیں کرتے تاکہ معاشرہ سیاسی گند سے پاک ہو سکے"

بادی النظر میں دونوں باتوں میں وزن ہے کیوں کہ موجودہ سیاسی کلچر میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ شریف آدمی اس سے ربط و ضبط پیدا کرے اور ہماری سیاست کا چلن ہی ایسا ہے کہ صالح عناصر اس کے ساتھ چل ہی نہیں سکتے، اور ساتھ ہی یہ خواہش اور مطالبہ بھی بہرحال جائز ہے کہ شرفاء عمر بھر کڑھنے کے بجائے خود سیاست میں فعال کردار ادا کریں اگر وہ خود اس میدان میں نہیں اتریں گے تو ظاہر ہے اس پر شورہ پشت چھائے رہیں گے، ہمارے خیال میں یہ دونوں باتیں درست ہونے کے باوجود ان پر عمل کرنا بہت تکلیف دہ اور مشکل امر ہے جب تک قوم کے اجتماعی مزاج اور اس کی مجموعی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اس وقت تک شریف لوگ "کھڈے لائن" لگے رہیں گے اور جو افراد جی کڑا کر کے سیاست میں وارد ہوں گے ان کے دامن میں سوائے محرومیوں اور مایوسیوں کے اور کچھ نہیں ہو گا۔

علامہ اقبال" نے کہا تھا۔

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اور اس کے مقابلے میں "سیاستدان" بننے کے لئے بھی چار عناصر درکار ہیں

۱۔ برادری
۲۔ دولت
۳۔ غنڈہ گردی
۴۔ ہوس اقتدار

ہر شخص ٹھنڈے دل اور کھلی آنکھوں سے سوچے اور دیکھے کہ

Marfat.com

جب ان عناصر کا مرکب ہی کامیاب سیاستدان (اچھا سیاستدان نہیں) بن سکتا ہے تو پہلے ہی مرحلے میں شریف آدمی کا پتہ کٹ جاتا ہے،اگر وہ بہت ہی نیک جذبوں اور خدمت قوم کے ولولوں کے ساتھ سیاست میں قدم رکھنا بھی چاہے تو پہلی ہی گیند میں "کلین بولڈ" ہو جائے گا تو اس رسوائی سے بہتر نہیں کہ اکھاڑے میں اترے ہی نہیں،یہ طعنہ اپنی جگہ کہ جب اچھے لوگ سیاست میں نہیں آئیں گے تو بروں سے نجات کیسے ملے گی؟لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ جو شرفاء سیاست میں ہیں ان کی کون سی آبرو ہے؟کہ باقی ماندہ صالح افراد بھی پگڑی ہاتھ میں لے کر اس کوچے سے گزریں،اچھے افراد کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی کوئی برادری نہیں ہوتی،اور اگر ہو بھی تو اسے اپنے ساتھ ملا کر نہیں رکھ سکتے،کیوں کہ برادری والوں کے تقاضے پورے کرنا کسی شریف آدمی کے لئے ممکن نہیں،اس لئے کہ "برادری سسٹم" میں چور اور سعد نہیں دیکھا جاتا،حق ناحق کا امتیاز نہیں برتا جاتا،جائز و ناجائز کا فرق نہیں کیا جاتا،ظالم اور مظلوم کو الگ الگ خانوں میں نہیں رکھا جاتا،برادری میں دھرم کا نہیں دھڑے کا ساتھ دیا جاتا ہے،خدا اگر اپنے لاریب کلام،رسول ﷺ اپنی پاک حدیث اور امام اپنی فقہ کے ساتھ ایک طرف ہوں مگر برادری کا فیصلہ اس سے مختلف ہو تو برادری کو مقدم رکھنا پڑتا ہے،ورنہ آپ کے ہاتھ میں نری حق پروری آئے گی برادری چھوٹ جائے گی،اور یہی معاملہ دولت کا ہے،دولت کی اپنی نفسیات ہے اور شرافت کی اپنی نفسیات!

معدودے چند افراد کو چھوڑ کر ہمارے ہاں کے ارباب زر و جاگیر کا شجرہ نسب کسے معلوم نہیں!اور ان کے ہاں دولت کہاں سے آئی ہے اس کا ذریعہ کس سے ڈھکا چھپا ہے؟

ایک شخص اپنے ضمیر اور ملی مفاد کو گروی رکھ کر دولت سمیٹتا ہے بلاشبہ وہ دولت مند تو ہو جائے گا مگر شریف نہیں رہے گا،انگریز کے بوٹ چاٹنے سے بندہ درہم و دینار تو پالے گا لیکن اپنی عزت گنوا بیٹھے گا،افسروں سے ملی بھگت کر کے کسی کی زمین پر قبضہ کر لینا،بیوہ سے چھت چھین لینا،کسی کی مجبوری کو خرید لینا،اور خونی رشتوں کو خون میں

Marfat.com

نہلا دینا بے شک دولت کے حصول کا کامیاب طریقہ ہے مگر یہ شریفانہ بود و باش بھی ہے؟اس کا جواب نفی میں ہے۔

اب بتایا جائے کہ شریف آدمی دولت کیسے کمائے؟اور دولت کے ذریعے کامیاب سیاستدان کیسے کہلائے؟رہ گئی غنڈہ گردی،تو ظاہر ہے ایک انسان یا شریف ہوتا ہے یا غنڈہ!شرافت اور غنڈہ گردی کا "حسین امتزاج "ابھی تک کوئی مفکر نہیں ڈھونڈھ سکا۔

سیاست میں آنے کے لئے چوتھا عنصر "ہوس اقتدار" ہے اور وہی لوگ سیاست کی اگلی صف میں نظر آتے ہیں،جنہیں اقتدار کی ہوس پچھلی صفوں میں بیٹھنے نہیں دیتی،اگلی صف میں بیٹھنے کے شوق میں وہ وفاداریاں بدلتے ہیں،حکمرانوں کےلئے قصیدے گھڑتے ہیں،دن کی روشنی میں پیمان باندھتے اور رات کی تاریکی میں اپنا عہد توڑتے ہیں،کسی کے پاوں پکڑ کر اور کسی کی پگڑی اچھال کر اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ اگلی صف میں جگہ پائیں،عام لوگوں کی یہ خواہش کہ شریف آدمی کو سیاست کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہیے کسی حد تک نیک خواہش ہے کیوں کہ شریف انسان کے لئے بہرحال لوگوں کے اچھے جذبات ہوتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ شریف آدمی اپنا سرمایہ عزت بازار سیاست میں لٹا دے،لیکن دوسری طرف یہ سوچ "فالج زدہ" بھی ہے کہ عام لوگوں نے یہ ذہنی سمجھوتہ کر لیا ہے سیاست بس تھانے کچہری کا کام ہے چونکہ شریف آدمی یہ فن نہیں جانتا اس لئے اس کو سیاست سے دور رہنا چاہیے،عہد حاضر کی دم بریدہ سیاست کے ساتھ یہ سمجھوتہ بہت بڑا دھوکہ ہے،ہمارے عوام یہ تو دیکھتے ہیں کہ ان کے سیاسی نمائندے ان کے لئے تھانے کچہری جاتے ہیں اور ان کا بندہ چھڑا لاتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ ان کا آدمی حوالات اور جیل میں پہنچا کیسے تھا؟یہی چھڑانے والے ہی اسے وہاں پہنچانے والے تھے،یہ "ڈبل گیم" نہ ہو تو ایسے لوگوں کو سیاستدان کون مانے گا؟

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریف لوگ سیاست میں آئیں تاکہ سیاسی کچرا صاف ہو ان کی نیت بھی اچھی ہے لیکن کوئی انہیں آنے دے تو سیاست میں آئیں۔

Marfat.com

وہ افراد جن کی امانت، دیانت، اہلیت اور صداقت پر اہل وطن نچھاور ہوتے ہیں جونہی ان میں سے کوئی سیاست میں قدم رکھتا ہے اس کا ڈھول پٹ جاتا ہے، اور وہ دور کی کوڑیاں لائی جاتی ہیں کہ جو باتیں کراماکاتبین اپنے دفتر میں نہیں لکھ پاتے وہ دنیا کے منکر نکیر اخبارات میں لے آتے ہیں، گویا ہمارے معاشرے نے طے کر رکھا ہے کہ دائرہ سیاست سے باہر جو چاہے اپنی اہلیت، صلاحیت اور قابلیت کا لوہا ہم سے منوا لے اور اپنی صداقت اور لیاقت کا ہم سے کلمہ پڑھوا لے لیکن وہ سیاست میں آیا تو اسے اپنا شجرہ نسب سنانا پڑے گا، گویا کہ زندگی کے ہر شعبے میں ہم شریف، شائستہ، ایماندار، صاحب کردار اور امین و عادل شخص کو پسند کرتے ہیں مگر سیاست میں خائن اور بدکردار ہی ہمیں "سوٹ" کرتے ہیں۔

تاریخ کے ہر دور میں بہترین افراد نے سیاست میں حصہ لیا، وہ خدا کے ہاں تو بڑے اجر کے مستحق ٹھہریں گے لیکن اہل زمانہ نے ان سے کیا سلوک روا رکھا، اس پر دفتر سیاہ کئے جا سکتے ہیں، ان کے پاس کیا کچھ نہیں تھا، اچھا شخصی پس منظر، کردار کی بلندی اور پختگی، تعلیم، شرافت، دیانت، استقامت، قول کی سچائی، حسن کلام، زور قلم، واضح نصب العین یہ سارے کا سارا اثاثہ انہوں نے لٹا دیا، لیکن بار آور سیاست ان کی ٹھہری جن کی جیب بازار میں رائج سکوں سے پر تھی، شخصی اچھائی پر برادری کی بڑائی غالب رہی، امانت اور دیانت پر دولت کو فوقیت ملی، حسن کلام اور زور قلم پر "زور بازو" نے سبقت حاصل کی اور کردار کے مقابلے میں ہوس اقتدار کو فتح ملی، جنہوں نے سچ کہا اور سچ لکھا ان کو تختہ دار ملا، اور جن لوگوں نے ڈٹ کر جھوٹ بولا انہیں قرب اقتدار نصیب ہوا، جو قوم کے لئے جئے وہ پھانسی لگ کر مرے، اور جو کرسی پر مرمٹے وہ مزے کے ساتھ جئے، جو وفا کیش تھے ان پر کیس بنے اور جو کاسہ لیس تھے انہوں نے بنک بھرے، جو دامن چاک تھے وہ تار تار کر ترسے اور جو چالاک تھے ان پر درہم و دینار برسے، جو قافلہ سالار تھے وہ نذر غبار ہو گئے اور جو گرد سفر تھے وہ رہبر بن گئے، جو عہد پرور تھے وہ خاک بسر ہوئے اور جو ابن الوقت تھے وہ وارث تخت بنے۔

Marfat.com

دور جانے کی ضرورت نہیں تحریک آزادی ہند کا باب کھول کر پڑھ لیجئے،سارے راز کھل جائیں گے،جزائر انڈیمان کو بسانے والے کون تھے اور لاٹ صاحب کی بگھی کے پائیدان پکڑنے والے کون تھے؟ پھانسی گھاٹ پر جھول جانے والے کون تھے اور انگریز کے کتوں کو نہلانے والے کون تھے؟گھربار کس نے لٹایا اور "تمغہ امتیاز" کس نے پایا؟چکی کی مشقت کس نے اٹھائی؟اور کرسی کی لذت کس نے پائی؟مستحق دار کون ٹھہرا اور شریک اقتدار کون ہوا؟کالے پانی کی سزا کس نے کاٹی اور فرنگی اقتدار کی ہڈی کس نے چاٹی؟یہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود ہم لوگوں نے لیڈر کن کو مانا؟کن کی اولاد کو اپنا رہبر بنایا؟کن کے سر پر قیادت کا تاج رکھا؟اور کن کے ہاتھوں میں پروانہ حکومت تھمایا؟پھر بھی یہ گلہ رہے کہ شریف لوگ سیاست میں نہیں آتے،شریف لوگوں کو سیاست میں ضرور آنا چاہئے لیکن ہمیں بھی معیار قیادت بدلنا چاہیے۔

سیاست تو پیغمبروں کا شیوہ تھا نجانے یہ رہزنوں کا ٹولہ کہاں سے برآمد ہو گیا ہے؟

سیاست تو ایک ریاضت تھی معلوم نہیں اس کی ردیف دولت کیسے بن گئی ہے؟

سیاست تو روشنی کردار تھی پتہ نہیں جنس بازار کیوں ہو گئی ہے؟

سیاست کا رخ بدلنے میں جہاں باہر کے "مرغ بادنما" شامل ہیں وہاں ہمارے طرز تغافل کا بھی دخل ہے،ہم نے نماز پڑھانے والے کو "مولوی" اور تھانے جانے والے کو "چودھری" بنا ڈالا،ہم نے پڑھے لکھے کو "منشی" کہا اور پیسے والے کو "خان جی" کہا،مار کھانے والے کو "کارکن" سمجھا اور مال بنانے والے کو "رہبر" جانا،جب ہمارا زاویہ فکر یہ ہو گا تو دروازہ سیاست شریف لوگوں پر بند رہے گا۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

اسلام کیسے نافذ ہو اور کون نافذ کرے ؟

☼

اگر کوئی کام کرنا ہو تو رات کے دو بجے بھی آٹھویں ترمیم منظور کرائی جا سکتی ہے ، کیوں کہ اقتدار کے استحکام کا تقاضا تھا ، اسمبلی کے ایک سیشن میں ارکان اسمبلی کو اٹھوا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے اور پانچ ترمیمیں ایک ہی نشست میں منظور ہو جاتی ہیں ، اور کام کرنے کا ارادہ و عزم نہ ہو تو وہی کچھ ہوتا ہے جو ''اسلام'' کے ساتھ اس ملک میں ہو رہا ہے۔

●●●

Marfat.com

Marfat.com

ہر چوتھے روز اخبار کے کسی نہ کسی کونے میں ایسی خبر بے بسی اور بیچارگی کی تصویر بنے لگی نظر آتی ہے جس میں وفاقی یا کسی صوبائی حکومت کی طرف سے نفاذ اسلام کے عمل کو تیز کرنے کی ضرورت کا اظہار ہوتا ہے۔

نفاذ اسلام کے دعوے بھی بہت ہوئے اور وعدے بھی! دعوے بے سروپا اور وعدے تشنئہ ایفاء، کیوں کہ دعوے ان کی طرف سے ہوتے ہیں جن کے پاس دلیل دعویٰ نہیں اور وعدے وہ کرتے ہیں جن کے ہاں جنس وفا نہیں، ایسے میں ایسی خبر کا ایک کونے میں لگ کر کھڑا ہو جانا فطری امر ہے، ہاں میں بھولا جا رہا ہوں ایک اور طبقہ بھی ہے جن کا نفاذ اسلام کا مطالبہ ہے مطالبہ وہ کرتے ہیں جن کا شعار "نظام حاضر" سے مکمل مطابقت ہے اور مطالبہ ان سے کرتے ہیں جن کی اسلام سے کوئی ذہنی موافقت نہیں، اس شش و پنج میں "اسلام" سوالیہ نشان (؟) بن کر رہ گیا ہے۔

بات کا سرا یا تو کسی کے ہاتھ نہیں آ رہا یا کوئی اسے پکڑنے کی عمداً سعی نہیں کرتا، بات سیدھی اور صاف ہے کہ اسلام ایک رویہ ہے جب تک وہ اختیار نہ کیا جائے کبھی بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔

سیاسی چاٹ کے رسیا مذہبی عناصر اسلام کے نفاذ کو "پریشر ایشو" بنا کر رکھنا چاہتے ہیں اور مذہبی چاٹ کے رسیا سیاسی عناصر نفاذ اسلام کو "آسان زینہ" بنا کر بام اقتدار پر پہنچنا چاہتے ہیں جبکہ عامتہ الناس ٹھوس تبدیلی کے خواہش مند ہیں، مطالبہ کرنے والوں کی خواہش ہے کہ ملک کو حنفی سٹیٹ بنا دیا جائے، فقہ جعفریہ کا نفاذ کر دیا جائے، فتاویٰ عالمگیری کو رائج کر دیا جائے، انہیں معلوم ہے کہ کثیر المسلکی سوسائٹی میں ایسا کوئی مطالبہ پورا نہیں ہو سکتا سو اس نعرے کو زیادہ بلند آہنگی سے لگایا جائے تاکہ مذہب کے حوالے سے سیاسی کھیل تادیر جاری رہ سکے اور ہم من کی مراد پا سکیں، دعویٰ اور وعدہ کرنے والے عناصر (وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے بزرجمہر) کی آرزو ہے کہ اسلام

Marfat.com

اس طرح کا نافذ ہو کہ ہمارے رنگ میں کبھی بھنگ نہ پڑ سکے ، ظاہر ہے اس پل صراط پر سے صرف عوام کو گزرنا پڑ رہا ہے جس کا ہر دن گویا پچاس ہزار دنوں کے برابر ہے۔

ع جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

اصل مسئلہ جوں کا توں ہے کہ اسلام وہ ہو جو ان کے "عیش کدوں" کی رونق بڑھائے تو سہی گھٹانے کی بات نہ کرے ، ان کے مفادات کا تحفظ تو کرے ، اس پر ضرب نہ مارے۔

بہت سادہ اور صاف سا صغریٰ کبریٰ ہے جس کے ملانے سے خالص منطقی نتیجہ ہر علم و عامی کے سامنے آ جاتا ہے۔

وفاقی حکومت ہو یا صوبائی حکومتیں ان کی نفسیات میں کوئی فرق نہیں ، مثال کے طور پر ان سے کہا جائے کہ اگر اسلام نافذ کرنا ہے تو۔

☆ "نظام صلواۃ" رائج کر دیں ، تو ارباب اقتدار کہیں گے جی بسم اللہ ، آج ہی حکم جاری ہو جائے گا ، لیکن ان ارباب اقتدار سے یہ بھی کہا جائے کہ نظام صلواۃ کے قیام کے ساتھ آپ کو بھی پانچوں وقت کی نماز کا پابند بننا ہو گا تو جھٹ سے کہہ دیں گے صاحب! یہ ایک انفرادی معاملہ ہے آپ اس میں نہ الجھیں ، ہم ٹی وی ، ریڈیو پر اذان دلوا دیں گے ، مگر ٹی وی اناؤنسروں کو نماز کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔

☆ ان ارباب حکومت سے کہیں کہ نظام زکواۃ نافذ کر دیں تو فی الفور ایسا کر دیں گے لیکن ساتھ ہی اگر یہ مطالبہ کیا جائے کہ زکواۃ سے پہلے اسلامی معاشی نظام کے تقاضوں کا آپ خود بھی لحاظ کریں یعنی قمار ، سود ، سٹہ ، کمیشن سسٹم ، رشوت اور دیگر ناجائز ذرائع سے دستکش ہو جائیں تو اسی سانس میں کہہ دیں گے جناب اسلام نافذ کرنا ہے تو کرائیے اتنی پابندیاں ہم سے برداشت نہیں ہو سکتیں۔

☆ عمائدین حکومت سے اگر کہا جائے کہ اسلامی نظام کا بل اسمبلی میں پیش کیجئے تو یہ آمادہ ہو جائیں گے لیکن اگر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اسلام میں ازخود کسی عہدے کا طالب ہونا ممنوع ہے ، اپنے عہدے کے لئے کنوینگ ناجائز ہے ، عورت کی انتظامی قیادت ناپسندیدہ ہے

Marfat.com

، ووٹ خریدنا حرام ہے ، کردار سے صرف نظر کرتے ہوئے ہر ایرے غیرے کو ممبر بنانا یا بنوانا ظلم ہے ایسی شقیں بھی اس بل میں شامل کر دیجئے تو ہر ایک دیکھ لے گا کہ حکومت ایک ساعت میں اپنا لہجہ بدل لے گی۔

☆ حکومت کے کار پردازوں سے اگر یہ مطالبہ کیا جائے کہ ملک میں اسلامی معاشرت کو فروغ دیا جائے ، اسلامی تعلیمات کو عام کیا جائے ، وغیرہ تو حکومتی کارپرداز بات مکمل ہونے سے پہلے آمادہ ہو جائیں گے کہ ہاں ہم کل سے سادگی کے متعلق اخبارات اور ٹی وی ، ریڈیو میں اشتہار دے دیں گے ، چوکوں میں بورڈ نصب کر دیں گے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا جہنمی ہیں ، ہم اس موضوع پر اعلیٰ سطحی مذاکرہ کرانے کو تیار ہیں ، ہم ہر دفتر میں سرکلر جاری کر دیتے ہیں ، اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں ''فہم القرآن'' ، ''الہدیٰ'' ، ''تفہیم دین'' ، ''اقراء'' کے عنوانات سے ٹی وی ، ریڈیو میں پروگرام شروع کر دیتے ہیں لیکن اگر انہیں یہ بھی کہہ دیا جائے ، رشوت ، سود ، ریس ، جوئے وغیرہ پر مکمل پابندی عائد کر کے انہیں قابل مواخذہ جرم قرار دیا جائے ، نماز ، روزہ کو ہر فرد ریاست کے لئے لازمی قرار دیا جائے ، اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں اسوۂ رسول ؐ کو سامنے رکھ کر پر تعیش کاروں ، ایکڑ بھر کے بنگلوں ، اور شان و شوکت کے تمام مظاہروں پر پابندی لگا دی جائے ، کتوں کو لحاف پہنانے اور انسانوں کو ترسانے کی رسم ختم کر دی جائے ، کروڑوں کا بینک بیلنس رکھنے ، کسی مال یا جنس پر اجارہ داری کے رجحان کو قانونی جرم قرار دے دیا جائے ، سفارش کو لعنت کا درجہ دے دیا جائے ، قانون کو ہر بڑے چھوٹے کے لئے بے لاگ اور بے لوث بنا دیا جائے تو دوسرے ہی لمحے ارباب اقتدار کے تیور بگڑ جائیں گے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ ظاہر ہے کہ اگر ایسا کر دیں تو سب سے پہلے وہ خود اسلامی نقطہ نظر سے حکومتی امور میں نااہل قرار پائیں گے اور ان کے لئے زندگی کے چند لمحے گزارنا مشکل ہو جائے گا ، جن

Marfat.com

کا ہر دن ''روز عید'' اور جن کی ہر رات ''شب برات'' ہو وہ ان احکام کی ''جبریت'' کو کیسے برداشت کریں گے ، ان کا اقتدار تو قائم ہی جھوٹے نعروں ، طاقت کے اجتماع ، وسائل کے ارتکاز ، رشوت کے زور ، سفارش کی لعنت ، عیش کے دھندے ، تلذذ کے پھندے ، ضمیر کی خرید و فروخت ، گٹھ جوڑ اور ہر میدان میں کھلی لاقانونیت پر ہے ، اس سے یہ امر کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ ارباب بست و کشاد کے لئے ''اسلام'' کا مطلب ہے کہ یہ ضابطے اور قوانین جو عوام پر نافذ ہوں اور اس بہانے ان کا اقتدار مضبوط تر ہو نہ کہ وہ خود ان قوانین کی زد میں آئیں جب رویہ یہ ہو تو اسلام کیسے نافذ ہو؟اور پھر اسے کون نافذ کرے؟جن افراد پر مشتمل ایسی کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں ان میں دوچار وزراء ، ایک دو سیکرٹری ، اور نام کی حد تک وہ علماء جن کے خطبے بے اثر اور جن کی رائے ''زیر اثر'' ہوتی ہے ، وزراء کا وجود خود اسلام کی نفی ہے تو وہ اسلام کیسے آنے دیں گے''سیکرٹری'' صاحبان کی تربیت کا سانچہ ایسا کہ جہاں سب کچھ فٹ ہو سکتا ہے کم از کم اسلام نہیں ، اور علماء کی نمائندگی کا مطلب کمیٹی کو صرف ''مشرف بہ اسلام'' کرنا ہوتا ہے نہ کہ واقعی اس سے کوئی کام لینا!

۵۰ ء سے تعلیمات اسلامی بورڈ اور اسلامی نظریاتی کونسل جیسے ادارے مسلسل چلے آرہے ہیں حتیٰ کہ مارشل لاء میں بھی ان اداروں کا وجود رہا (مارشل لاء جو ''فرد واحد کے اقتدار'' کا نظام ہے جو اسلام کی سربسر تکذیب اور نفی ہے)مگر نتیجہ؟

ع دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر

یعنی دفتر کے دفتر سیاہ ، قلم شکستہ و لب بستہ ، آنکھیں انتظار میں پتھرا گئیں ، مسیں بھیگنے سے بڑھاپا آگیا مگر اسلامی نظام کے لئے سفارشات کا مرحلہ مکمل نہیں ہوا ، اگر کوئی کام کرنا ہو تو رات کے دو بجے بھی آٹھویں ترمیم منظور کرائی جا سکتی ہے ، کیوں کہ اقتدار کے استحکام کا تقاضا تھا ، اسمبلی کے ایک سیشن میں ارکان اسمبلی کو اٹھوا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے اور پانچ ترمیمیں ایک ہی نشست میں منظور ہو جاتی ہیں ، اور کام کرنے کا ارادہ و عزم نہ ہو تو وہی کچھ ہوتا ہے جو ''اسلام''

Marfat.com

کے ساتھ اس ملک میں ہو رہا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جو ایک مدت بعد ہمارے دماغ میں آیا کہ آئین میں (خواہ وہ ۵۶ ء یا ۶۲ ء کا ہو یا موجودہ ۷۳ ء کا)نفاذ اسلام کی مدت دس سال رکھی گئی ہے ، آئینی طور پر ہر حکومت کی میعاد پانچ سال ہے اور پاکستان جیسے ملک میں ایک حکومت اپنی مدت بڑی مشکل سے پوری کرتی ہے دوسری بار آنے کا تو مذکور ہی کیا؟اگر دوسری بار وہی پارٹی بر سراقتدار آئی بھی تو درمیان میں ایک آدھ مارشل لاء ناگزیر ہے اور گر مارشل لاء ہےتو آئین معطل رہے گا اس لئے نفاذ اسلام کی مدت عمداً دس سال رکھی گئی ہے تاکہ یہ پھندا اگلی حکومت کے گلے پڑے اگر مدت پانچ سال ہو تو اسلام کا نفاذ اسی حکومت کی ذمہ داری بن جاتی ہے جس نے یہ شق منظور کی ہوتی ہے ، بناء بریں جانے والی حکومت کا گلہ ہوتا ہے کہ اسے پورے دس سال نہیں ملے ورنہ وعدہ ایفا ہوتا اور آنے الی حکومت کا بہانہ ہوتا ہے کہ دس سال کی معیاد اب شروع ہوئی ہے دس سال موقع ملا تو ضرور وعدہ پورا ہو گا یعنی ”آج نقد کل ادھار“ کی تختی ہے جو برابر ”دکان حکومت“ پر آویزاں رہتی ہے ، گویا کوئی شخص یہ نہ سمجھے آج کے بجائے کل جاؤں گا تو ادھار مل جائے گا کل وہ دکان پر جائے گا تو ”آج نقد“والا معاملہ درپیش ہو گا ، یوں کہئے کہ ہر حکومت اس وعدے کو دس سال تک زحمت کش ایفاء رکھنا چاہتی ہے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ کوئی حکومت یہاں دس سال تک قائم نہیں رہتی ، اگر ایسا ہونے کے آثار ہوں تو پھر کوئی ایسا روڑا آ پڑے گا کہ نہ حکومت رہے گی ، نہ آئین بچے گا اور نہ دس سال کی قید باقی!یعنی نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچ سکے گی۔

اس صورتحال میں معاملہ جوں کا توں کہ اسلام کیسے نافذ ہوا؟اور کون نافذ کرے؟جہاں تک ”کیسے“ کا سوال ہے تو ”ایسے“ اسلام کبھی نافذ نہیں ہو گا اگر ہوا تو کچھ فائدہ نہیں ، رہا ”کون“ والا معاملہ؟تو مسور کی دال کھانے کو منہ چاہیئے یہ تو اسلام ہے ، یہ ذہن ، یہ لوگ ، یہ حکمران کب اس قابل ہیں کہ اسلام نافذ کرنے کا ”خطرہ“ مول لیں ، بھلا اپنی موت کون منہ مانگتا ہے ، اس کے لئے کوئی عمر بن

Marfat.com

عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قبیلے کا فرد اٹھے گا جو محض دو سال میں "بگڑی ملوکیت" کو "اسلامی خلافت" میں بدل کر رکھ دے۔

اس وقت ضرورت ایسی ہی تحریک اور دعوت کی ہے جو خوش کن وعدوں پر اعتبار اور "ملی جلی اسلامیت" پر انحصار کے مقابلے میں "فطری قیادت" کے جھنڈے تلے "دین فطرت" کو برپا کر دے جہاں نہ "ملوکیت" کا گزر ہو اور نہ ہی "منافقت" کا دخل! کہ یہی اسلامی انقلاب کا مزاج ہے۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com

قرآن کی برتری اور حاملین قرآن کی ابتری

☼

جب ہم یہ خبر پڑھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ عیسائیوں نے اور انگریزوں نے قرآن حکیم کو اپنی کتاب کے مقابلے میں برتر تسلیم کر لیا ہے تو ذرا یہ بھی سوچ لیا کریں کہ قرآن کریم کی برتری بجا مگر میدان عمل میں حاملین قرآن کی ابتری بھی لیک ناقابل تردید مشاہدہ بن گئی ہے کچھ اس درد کا مداوا بھی ہونا چاہئے۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

ایک عرصہ ہوا اخبارات میں ایک خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی کہ ایک پاکستانی عالم دین نے ڈنمارک میں عیسائیوں سے منوا لیا کہ قرآن حکیم سچی کتاب اور بائبل محض ایک "دستوری بک" ہے اخبار میں اس مناظرے کی قدرے تفصیل بھی شائع ہوئی۔

بلاشبہ اس خبر میں ایک پہلو مسرت کا تھا مگر کئی پہلو حیرت اور حسرت کے بھی ہیں، مسرت خوش فہم لوگوں کے لئے اور حیرت و حسرت ان افراد کے لئے جو ظالم اس آپا دھاپی اور گروہ بندی کے دور میں بھی دل دردمند اور ضمیر زندہ رکھتے ہیں فرق صرف زاویہ نظر کا ہے کچھ لوگوں کے نزدیک چودھویں کا چاند نقطہ کمال ہوتا ہے اور کچھ کے نزدیک آغاز زوال، بعض لوگ کلی چٹکنے پر خوش ہوتے ہیں اور بعض رو دیتے ہیں کہ بیچاری کا شاخ سے ٹوٹنے کا وقت آپہونچا ہے راقم الحروف ان "شوریدہ سروں" میں شامل ہے جو بغلیں کم بجاتے اور گریبان میں زیادہ جھانکتے ہیں، یہ مناظرہ اور خبر پڑھ کر بھی کچھ ایسی ہی کیفیت طاری ہوئی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ موجودہ دور مناظروں کا نہیں ٹھوس حقائق اور تلخ تجربات کا ہے ایک زمانہ تھا جب مناظروں سے میدان مارے جاتے تھے اور ذوق نعرہ زنی کی تسکین ہوتی تھی، اب بے رحم زمانہ نئے پیمانے لے کر ہمارے سامنے ہے، اور بار بار کہتا ہے کہ پیش کر گر کچھ دفتر عمل میں ہے اور اگر کسی کے پاس دفتر عمل سے پیش کرنے کو کچھ نہیں ہوتا تو زمانہ سلام کہہ کر اگلے سفر پر نکل جاتا ہے کسی کے زور بیان کی داد دینے کے لئے سر دھننا شروع نہیں کر دیتا، جو قوم لفظوں کی جنگ جیت جائے اور اس پر شادیانے بجائے وہ خوش فکروں کا ایک ہجوم تو ہو سکتی ہے دنیا کی قیادت نہیں کر سکتی، اور جو قوم سر نیہوڑا کر کام میں لگی رہے اور زبان تالو میں دے کر گونگی بن جائے ایک دن وہ دنیا کی اگلی صف میں کھڑی نظر آتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں مار کھانے کے بعد جاپانی قوم کے لبوں پر

Marfat.com

مہر لگ گئی نہ بیانات نہ تقریریں ، نہ بڑھکیں اور نہ نعرے ، ہر شخص اپنے کام میں جت گیا ، اور آج اس کے "دین" کے سامنے امریکہ کا "ڈالر" تھر تھر کانپ رہا ہے اسی جاپان کو دفاع کی چھتری مہیا کرنے والا امریکہ جاپان کے مقابلے میں عالمی منڈی کے اندر اپنی بقاء اور تحفظ کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا دکھائی دے رہا ہے لیکن جاپان ہے کہ کسی کو قدم جمانے کی مہلت نہیں دے رہا۔

خوش گفتار ہونا الگ بات ہے اور ٹھوس کردار رکھنا بالکل دوسری چیز!

مناظرے میں کیا مباحث چھڑے؟کیسے کیسے نکات اٹھائے گئے ؟دلائل کا کیا عالم تھا؟کس کے حملے کارگر رہے؟کس نے خطابت کا جادو جگایا؟اور کس نے حوالوں کا انبار لگایا؟یہ خوش کن منظر تو حاضرین نے دیکھا ہو گااور وہ یقیناً محظوظ ہوں گے ، البتہ مقام مسرت ہے کہ مسلمان عالم دین کو برتری حاصل رہی اور وہ ظفریاب ہوئے ، قرآن حکیم کی حقانیت کفر کے قلب میں واضح ہو گئی اس سے بڑھ کر ایک مسلمان کے لئے کیا خوشی ہو سکتی ہے مگر یہ خبر ساتھ ساتھ کئی سوالات جنم دے گئی جن کا جواب ہمارے ذمے ہے اور ہم بحیثیت قوم شائد ان سوالوں کا ابھی جواب نہ دے سکیں ،کیوں کہ وقت اور تاریخ کے بہت سے قرض ہم پر واجب ہیں۔

مسلمان عالم دین نے عیسائی پادری کو لاجواب کر دیا اور وہ قرآن حکیم کی صداقت اور حقانیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا وہ نہ بھی مانتا تب بھی قرآن حکیم کائنات کی سب سے بڑی سچائی اور مصدقہ حقیقت ہے۔

البتہ ہمیں سوچنا چاہئے کہ قرآن حکیم تو من و عن وہی ہے جو پہلے تھا اس کے الفاظ و حروف بھی وہی ہیں جو نزول کے وقت تھے مگر اثرات وہ کیوں نہیں جو صدر اسلام میں ظاہر ہوئے تھے ، ماننا پڑے گا کہ یا تو قرآن وہ نہیں یا پھر مسلمان ویسے نہیں رہے ، اور اس میں ظاہر ہے مؤخرالذکر بات یقینی ہے جب ہم کسی عیسائی پادری سے یہ منوا لیتے ہیں کہ قرآن حکیم سچی اور انقلاب انگیز کتاب ہے تو وہ سچائی اور

Marfat.com

انقلابیت خود ہمارے اندر کیوں دستیاب نہیں؟جب ہم غیروں کو قرآن کی عظمت کا قائل کر لیتے ہیں تو وہ کردار کی عظمت ہم میں کیوں مفقود ہے؟

جب ہم قرآن مجید کو اٹل اور غیر متبدل حقیقت ثابت کر لیتے ہیں تو ہم میں وہ ثبات و استحکام کا جوہر کیوں نظر نہیں آتا؟اور ہم کیوں صدیوں سے گھڑی کا پنڈولم بنے ہوئے ہیں نہ اس پہلو سکون ہے اور نہ اس کروٹ قرار؟جب ہم یہ خبر پڑھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں کہ عیسائیوں نے اور انگریزوں نے قرآن حکیم کو اپنی کتاب کے مقابلے میں برتر تسلیم کر لیا ہے تو ذرا یہ بھی سوچ لیا کریں کہ قرآن کریم کی برتری بجا مگر میدان عمل میں حاملین قرآن کی ابتری بھی ایک ناقابل تردید مشاہدہ بن گئی ہے کچھ اس درد کا مداوا بھی ہونا چاہئے۔

جب ہم خود کو اور دوسری اقوام بالخصوص یورپی اور امریکہ قوتوں کو میزان عمل میں تولتے ہیں تو بدقسمتی سے ہمارا پلڑا بہت اوپر اٹھا ہوا دکھائی دیتا ہے ہم صدر اسلام میں اتنے بے وزن تو نہیں تھے بلکہ ہم تو اقوام عالم کے لئے معیار حق اور تہذیب کا درجہ رکھتے تھے ، اگر ہم اپنے آپ سے استفسار کریں اور کچھ سوالوں کا جواب چاہیں تو نظر اوپر نہیں اٹھتی بلکہ گریبان کی طرف جھکتی ہے کہ۔

☆ ہم انگریزوں کے مقروض ہیں یا وہ ہمارے قرضدار؟

☆ ہم ان کی ثقافت سے مرعوب ہیں یا وہ ہماری تہذیب کے مقلد؟

☆ ہم ان کے صنعت و حرفت میں محتاج ہیں یا وہ ہمارے دست نگر؟

☆ ہم ان کے فیشن کے دلدادہ ہیں یا وہ ہمارے طرز تمدن کے شیدائی؟

☆ ہماری تقدیر ان کے دامن سے وابستہ ہے یا ان کا مقدر ہمارے ہاتھوں میں ہے؟

☆ ہم اپنا بجٹ ان کی امداد کے سہارے ترتیب دیتے ہیں یا ان کے بجٹ کا ہم پر دارومدار ہوتا ہے؟

☆ ہم ان کے دیئے ہوئے نظام سیاست کے اسیر ہیں یا وہ ہمارے پابند نظام؟

☆ ہم ان کی شرائط پر ان سے معاملہ کرتے ہیں یا وہ ہماری شرائط پر

Marfat.com

معاہدے؟

☆ ہمیں ان کی خوشنودی مطلوب رہتی ہے یا انہیں ہماری خوشی کا خیال رہتا ہے؟

غرض ایسے بے شمار سوالات ہیں جو ہم اپنے آپ سے پوچھ کر شرمندہ ہوتے رہتے ہیں کیوں نہ ہم جی کڑا کر کے ایک ہی انقلابی جست میں ان سب تلخ سوالوں کا جواب دے دیں اور پھر کسی سے مناظرے کی نوبت ہی نہ آئے ، اگر ہم ہی ان کے مقروض ، ہم ہی ان سے مرعوب ، ہم ہی ان کے محکوم اور ہم ہی ان کے محتاج تو لفظی جنگ جیتی بھی تو کیا جیتی؟

ہم تو اس دن فاتح کہلائیں گے جب نظریہ بھی ہمارا ہو گا اور نظام العمل بھی اپنا ، بجٹ بھی اپنا ہو گا اور وسائل بھی اپنے ، تقدیر بھی اپنی ہو گی اور تقدیر ساز بھی ہم خود ہوں گے ، وہ فتح حقیقی ہو گی۔

جب ہم میدان عمل میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے تو اس وقت مناظروں کے بغیر دنیا ہماری اور ہمارے قرآن کی طرف لپکے گی اور وہ خود اپنے اوپر قرآن کی شاہد ہو گی اور پھر اشرقت الارض بنور ربّھا (اور زمین اللہ کے نور سے بھر جائے گی) کا سماں پیدا ہو گا۔

❁❁❁

Marfat.com

روح عصر اور ضرورت اجتہاد

☼

اسلام فی الاصل روح عصر سے متصادم اور روح عصر درحقیقت اسلام سے باغی نہیں بلکہ یہ مصنوعی تصادم کم و بیش ہمارے غیر علمی رویے اور جامد فکر کے باعث ہے ورنہ صدر اول ہی میں جبکہ ابھی اسلام کی فطری سادگی اور معاشرے کی محدودیت پوری طرح موجود تھی مجتہدانہ بصیرت اپنے کام کا آغاز کر چکی تھی ، اور کسی نے بھی اس روش پر حرف زنی نہیں کی۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

عصر حاضر میں اجتہاد کی ضرورت کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے چند بنیادی اور تمہیدی سوالات قائم کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ اسلام میں اجتہاد کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے؟

۲۔ اسلام روح عصر کا کس قدر لحاظ کرتا اور اپنے احکام میں کتنی لچک رکھتا ہے؟

۳۔ اجتہاد آج بھی جاری و ساری ہے یا محدود مدت کے لئے اس کا دروازہ کھلا تھا؟

۴۔ کسی بھی دور میں اجتہاد کا دروازہ بند ہوا ہے اگر ہوا ہے تو امت کو اس سے نقصان پہونچا یا فائدہ ہوا؟

۵۔ کسی بھی دور میں ہونے والا اجتہاد ہی اب امت کے لئے واجب التقلید ہے یا اب بھی اجتہاد کی گنجائش موجود ہے؟

۶۔ اجتہاد میں پوری امت کے مسائل ملحوظ رکھے جائیں یا گروہی اور مسلکی رجحانات؟

۷۔ آج اسلام کے عملی نفاذ میں رکاوٹ روح اجتہاد کا فقدان تو نہیں؟

۸۔ مسلمانوں میں فکری تصادم اور فروعی مسائل کی بہتات اور اس میں شدت اجتہاد کے نہ ہونے کا نتیجہ تو نہیں؟

۹۔ آج کے دور میں کون سے مسائل اجتہاد طلب ہیں اور اس عہد میں اجتہاد کی ضرورت کا احساس کس قدر ہے؟ یہ اور ایسے ہی کئی سوالات ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

جہاں تک اسلام میں اجتہاد کی اہمیت کا تعلق ہے کوئی ذی فہم انسان اس سے انکار نہیں کرتا کیوں کہ اسلام بذات خود ایک مجتہدانہ ذوق کا حامل نظریہ اور دین ہے۔

قرآن حکیم کے نزول اور صاحب قرآن ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد کی اجازت حاصل ہونا اس کی اہمیت کی سب سے بڑی دلیل ہے ورنہ قرآنی احکام ابھی نازل ہو رہے ہوں، شارح قرآن اور شارع علیہ السلام بنفس نفیس موجود ہوں تو پھر اجتہاد کیا معنی؟ اگر وہ زمانہ آج کی طرح کا ہوتا اور زمام کار پیشہ ور مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں ہوتی تو

Marfat.com

اس سے بڑھ گردن زدنی جرم اور کوئی نہ ہوتا ، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ صدر اول میں ایسا تھا اور ایسا ہوا۔

ایک معروف حدیث ہے اور اجتہاد پر لکھی جانے والی کسی بھی کتاب کا سرنامہ بننے کی حقدار ہے ، نبی اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو پوچھا۔

"معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ !مقدمات کا فیصلہ کس طرح کرو گے ؟عرض کیا "کتاب اللہ کی روشنی میں"،فرمایا اگر اس میں کچھ نہ ملے تو؟بولے "سنت رسول ﷺ کے ذریعے فیصلہ کروں گا ، آپ نے فرمایا اگر سنت بھی اس بارے میں خاموش ہو تو پھر؟کہا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا ، آپ اس جواب پر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا ، سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو یہ توفیق بخشی کہ اللہ کا رسول اس سے راضی ہو گیا۔

مذکورہ صدر حدیث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اگر احکام منصوص اور مخصوص نہ ہوں تو اجتہاد لازم ہے ویسے بھی اسلام کے مآخذ اربعہ میں قرآن و سنت اور اجماع کے بعد قیاس (اجتہاد) کا مرتبہ ہے ، جسے فقہ جعفریہ میں "عقل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ظاہر امر ہے کہ قرآن و سنت کے پہلو بہ پہلو اجماع اور اجتہاد کو رکھا گیا ہے اگر قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے اجتہاد کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر عقل ، قیاس ، رائے اور بصیرت کا استعمال مستحسن ہے تو کسی فقہ کی تدوین کے بعد اجتہاد کے لفظ کو متروک اور اس کے مفہوم کو مذموم قرار دے دینا کس طرح معقول روش کہلا سکتی ہے؟

اگر تو اسلام ایک مخصوص ماحول میں پرورش پانے اور زندہ رہنے والا دین ہے اور اس کو ماننے والی امت ایک خاص نسل اور علاقے سے تعلق رکھتی ہے اور اس دین کی تنفیذ ایک محدود مدت کے لئے تھی تو اس میں کسی قیاس ، اجتہاد ، رائے ، اور لچک کا کوئی دخل نہیں اور حالات کا تغیر اس کے لئے قابل لحاظ نہیں اور اگر صورت واقعہ اس سے مختلف ہے اور یقیناً مختلف ہے تو روح عصر کو اسلام سے باغی اور متصادم نہ ہونے دیا جائے لیکن حاشا و کلا اس سے اسلام میں کسی وقتی

Marfat.com

مصلحت کی پیوندکاری مقصود نہیں بلکہ اسلام کا آفاقی اور کائناتی رویہ واضح کرنا ہے اسلام فی الاصل روح عصر سے متصادم اور روح عصر در حقیقت اسلام سے باغی نہیں بلکہ یہ مصنوعی تصادم کم و بیش ہمارے غیر علمی رویے اور جامد فکر کے باعث ہے ورنہ صدر اول ہی میں جبکہ ابھی اسلام کی فطری سادگی اور معاشرے کی محدودیت پوری طرح موجود تھی مجتہدانہ بصیرت اپنے کام کا آغاز کر چکی تھی ، اور کسی نے بھی اس روش پر حرف زنی نہیں کی ، حضرت عمرؓ تو اس معاملے میں خصوصی تقدم رکھتے اور روح عصر کے بہترین مزاج شناس اور رمز آشنا تھے اور یوں وہ امت کے پہلے ''مجتہد مطلق'' نظر آتے ہیں ، حضرت عمرؓ کے بہت سے فیصلے روح عصر کے عکاس اور ترجمان دکھائی دیتے ہیں مثلاً خلیفہ اول کے دور میں شرابی کی سزا بیس درے تھی آپ نے اسے دوگنا کر دیا ، حلالہ کے متعلق کوئی مخصوص حد قرآن و سنت میں نہیں مگر آپ نے سنگسار کرنے کی دھمکی دی ، نماز تراویح کا باجماعت اہتمام عہد رسالت میں نہ تھا نہ دور صدیقی میں ملتا ہے آپ نے باقاعدہ اسے رائج کیا اور آج تک موجود ہے اور کوئی بھی اسے بدعت قرار نہیں دیتا۔

شارع علیہ السلام کے زمانے میں زکواۃ میں سے ''مئولفتہ القلوب'' کو حصہ ملتا تھا لیکن خلیفہ ثانی نے یہ حصہ موقوف کر دیا ، ان کے نزدیک اب اسلام غالب قوت تھی اسے اس طرح کی تالیف قلب کی ضرورت نہیں رہی تھی ، اسی طرح عہد نبوت اور دور شیخین میں جمعہ کے لئے ایک ہی اذان ہوتی تھی دور عثمانی میں کاروبار زندگی کی وسعت اور مختلف دیار وامصار سے لوگوں کی آمد کی وجہ سے ایک اور اذان کا اضافہ کرنا پڑا تاکہ لوگوں کو نماز کی تیاری اور اس میں فراغت کے ساتھ شرکت کا موقع مل سکے۔

چوری کے لئے باقاعدہ حد ہے لیکن حضرت عمرؓ نے ایام قحط میں موقوف کر دی ، الغرض خلفاء اربعہ کے متعدد فیصلے اپنے اپنے دور میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل نظر آتے ہیں ان فیصلوں سے نہ تو دین کی روح مجروح ہوئی نہ شریعت کا وقار متاثر ہوا اور نہ ہی ان اقدامات کو اپنے پیشروؤں سے انحراف سمجھا گیا ، حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اس

Marfat.com

معاملے میں مجتہدانہ شان رکھنے میں نمایاں نظر آتے ہیں ، جن کے اجتہاد آفریں فیصلوں نے بگڑی ہوئی ملوکیت کو دوبارہ انقلاب انگیز خلافت میں تبدیل کر دیا تھا ، ورنہ اس ماحول کو تقدس درجہ دے دیا جاتا تو بات ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ پاتی ، اور آپ اپنے وقت کے صرف "سلطان یا ملک" ہی کہلاتے ، ان کی اس مجتہدانہ روش نے اسلامی تاریخ کے روئے زیبا پر پڑی ملوکیت کی گرد کسی حد تک صاف کر دی ، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ملوکانہ روایت اور شاہانہ اقدار ہی اس امت کا علمی ، سیاسی اور روحانی ورثہ بن جاتیں۔

اس کے بعد بھی اجتہاد کا صافی چشمہ رواں دواں رہا اور آئمہ اربعہ کی کوششیں بالخصوص اس کا بین ثبوت ہیں ، اور آج ان مجتہدین کی تقلید لائق فخر ہے نہ کہ باعث ننگ ، ثابت یہی ہوا کہ اجتہاد کا عمل برابر جاری رہا اور اپنے عہد کی علمی پرورش کرتا رہا ، لیکن اس کے بعد نہ جانے لوگوں نے یہ کیسے باورکر لیا کہ اب قیامت تک تقلید ہی امت کا مقدر ہے ، جبکہ آثار اور شواہد اس عقیدے کی نفی کرتے ہیں ، خود آئمہ اربعہ کا ایک دوسرے کے ہوتے ہوئے اور استاد اور شاگرد کا رشتہ احترام قائم رکھتے ہوئے اجتہادی مکاتب قائم کرنا اجتہادی عمل کے اجراء کی بہت بڑی دلیل ہے ، آئمہ اربعہ کے فوراً بعد امام محمد ، امام ابو یوسف اور امام زفرؒ کے مکاتب فکر بجائے خود "اجتہاد" کا درجہ رکھتے ہیں۔

بعدازاں تفسیر ، حدیث ، تصوف ، منطق ، فلسفہ اور ادب ایسے موضوعات میں اجتہاد جاری رہا کون ایسا ذی علم ہے جو امام ابن تیمیہؒ کی مجتہدانہ شان کا منکر ہو؟اور شاہ ولی اللہؒ کے اجتہادی کارناموں سے ناواقف ہو؟یہ سب کے سب امت کے ذی وقار افراد شمار ہوتے ہیں اور کوئی انہیں خارجی یا اعتزالی نقطہ نظر کا حامل نہیں سمجھتا۔

آج دنیائے اسلام بالخصوص پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا چرچا ہے لیکن اس کی عملی صورت گیری اور اس کے اثرات و نتائج کہیں دکھائی نہیں دیتے اس راہ میں جہاں انتظامی الجھنیں ، معاشرتی بگاڑ ، حکمرانوں کا فتور نیت اور افسر شاہی کی بےتدبیریوں کا روڑا اٹکا ہوا ہے

Marfat.com

وہاں کوئی سلیم الطبع انسان اس سبب کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا کہ پاکستان میں کسی مجتہد ادارے کا وجود نہیں جو مختلف اور متنازعہ مسائل ہیں قوت اجتہاد کے ذریعے نقطہ اتحاد مہیا کر سکے اسی کا نتیجہ ہے کہ نفاذ زکواۃ میں شیعہ ، سنی فرقوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی اور اسلام کا یہ کفالتی نظام مذاق بن کر رہ گیا۔

قطع ید کی سزا پر عملدرآمد نہ ہو سکا کیوں کہ دو مکاتب فکر اس معاملے میں ایک رائے نہیں تھے ، کہا جاتا ہے کہ پرسنل لاء کی رعائت نہائت ضروری ہے حالانکہ اسلامی حکومت میں پرسنل لاء غیر مسلموں کے لئے اور غیر مسلم اکثریتی حکومت میں مسلمانوں کے لئے ہوتا ہے اسلامی حکومت میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے پرسنل لاء کی اصطلاح انتہائی لغو معلوم ہوتی ہے اور متذکرہ صدر امور تو ویسے بھی صریحا پبلک لاء کے زمرے میں آتے ہیں ، ہمارے نزدیک یہ سارا بگاڑ محض اس وجہ سے پیدا ہوا کہ کوئی مجتہد ادارہ موجود نہ تھا جو امت کے ان دو بڑے فقہی مکاتب فکر میں ہم آہنگی کی راہیں کھول دیتا اور کسی ایک تعبیر کو دونوں کے لئے قابل قبول بنا دیتا ، چنانچہ روح اجتہاد کے فقدان نے اسلامی قوانین کی تنفیذ کو ایک معمہ بنا دیا ہے۔

ماضی قریب مین بعض بہت ہی معمولی اور جزئی مسائل محض اس لئے نزاعی بن گئے کہ ان کی حقیقی اور شرعی حیثیت متعین کرنے کے لئے کوئی مجتہد ادارہ موجود نہ تھا اور اس باب میں بعض تو ایسے لطیفے سرزد ہوئے کہ عقل و خرد سر پیٹ کر رہ گئے ، مثلاً گراموفون کے بارے میں فتویٰ دیا گیا کہ اس میں انسان کی اصل آواز نہیں بلکہ شیطان کی ممثلہ آواز ہوتی ہے آج ان مفتی صاحب کو ان کی اپنی آواز سنا دی جائے تو نجانے اب کیا فرمائیں؟ ٹیلی فون کو شیطانی آلہ کہہ کر اس کا استعمال بدعت قرار دے دیا گیا اس سلسلے میں دلچسپ صورت حال سعودی عرب میں انقلاب حکومت کے وقت پیدا ہوئی جب نجدی انقلابی بدوؤں نے اسے اپنے فرمانروا کے لئے مسئلہ بنا دیا ، شاہ سعود کے پرائیویٹ سیکرٹری کی یادداشتوں میں اس کی تفصیل ملتی ہے ، لاؤڈ سپیکر پر اذان ، اقامت اور نماز کو ناجائز گردانا گیا استدلال یہ تھا کہ اس میں انسان کی اپنی

Marfat.com

آواز نہیں ہوتی حالانکہ یہ بات مشاہدے ، عقل عام اور واقعے کے صریحاً خلاف ہے ، لیکن اب رفتہ رفتہ لاؤڈ سپیکر کا استعمال ایک معمول اور روزمرہ کی ضرورت بن گیا ہے تاہم بعض حلقے اب بھی پرانی روش پر سختی سے قائم ہیں جو سراسر کم نظری اور بے خبری ہے ، جب نئے نئے کرنسی نوٹ آئے تو کہا گیا چونکہ اس کی کوئی ثمنیت نہیں لہٰذا چاندی اور سونے کے عوض ان کا لین دین جائز نہیں ، باخبر لوگ جانتے ہیں کہ مفسر قرآن مولانا عبدالحق حقانی نے اس ضمن میں بڑا پیارا جواب دیا تھا کہ "نوٹ تو چل جائے گا حقانی کا فتویٰ نہیں چلے گا"

ترکوں اور عربوں کے باہمی نزاع نے خلافت کے مسئلے پر پوری امت کو بانٹ کر رکھ دیا تھا اور اس میں "الائمہ من القریش" والی حدیث نے بنیادی حیثیت اختیار کر لی تھی ،اور اس جھگڑے میں نہ خلافت عربوں کو مل سکی اور نہ ترک اسے برقرار رکھ سکے بلکہ سرے سے خلافت کا ادارہ ہی تہس نہس ہو کر رہ گیا" یہ سب کچھ مجتہدانہ بصیرت کے فقدان کا نتیجہ تھا ورنہ اس حدیث کی بنیاد پر اتنا بڑا جھگڑا کھڑا نہیں ہو سکتا تھا ، حالانکہ مخصوص احکام کے علاوہ باقی تمام امور مجتہدانہ نظر کے منتظر ہوتے ہیں اور اس طرح امت فکری انتشار سے بچ جاتی ہے۔

اب ہم موجودہ دور کے مسائل کو دیکھتے ہیں جن کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور کسی حقیقت پسند اور نکتہ شناس مجتہد فرد یا قابل اعتماد مجتہد ادارے کی راہ تک رہے ہیں کہ وہ آئے اور انہیں نظری بحثوں سے نکال کر عملی قالب میں ڈھال دے۔

اس مختصر مضمون کے توسط سے ارباب فکر و نظر کو دعوت دی جاتی ہے کہ غور و فکر کر کے نظری مباحث کو عملی بنیادیں فراہم کریں اب بھی کئی ایک مسائل گہرے غور و فکر کے متقاضی ہیں ، مثلاً—

گذشتہ دور میں "قانون شہادت" کی تشریح پر خواتین کی طرف سے ناخوشگوار ردعمل کا اظہار ہوا اور پھر ایک لایعنی بحث چل نکلی اور ہر دو طرف سے افراط و تفریط کا عجب نقشہ آنکھوں نے دیکھا ، اسی طرح "عورت کی سربراہی" بھی ایک اہم اور دور حاضر کا گرم مسئلہ ہے کہ آیا یہ حرمت کلی اور قطعی ہے یا اس میں بعض شرائط کا اضافہ کر کے

Marfat.com

پھلدار بنایا جا سکتا ہے جبکہ آج عورت مختلف ملکوں میں حکمران بھی ہے، اسمبلیوں کی ممبر بھی ہے اور اس کے ووٹ کی حیثیت مسلمہ اور ناقابل تنسیخ بھی ہے، اسی طرح پوسٹ مارٹم بھی ایک مسئلہ ہے جو بظاہر متنازعہ ہے مگر دورِ حاضر میں طبی اور تفتیشی نقطہ نظر سے بے حد اہم ہے۔

اس سلسلے میں یہ مسئلہ بھی لائق اعتبار ہے کہ مختلف اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے یا ناجائز؟ ماضی قریب میں اس پر علمی و فقہی حلقوں میں خاصی بحث رہی مگر بے نتیجہ! اور بات وہیں کی وہیں ہے ایسا ہو بھی رہا ہے اور دل و دماغ مطمئن بھی نہیں۔

ایک اور معرکہ الآراء موضوع بھی ہے جسے عہدِ جدید کا حساس ترین مسئلہ کہا جائے تو چنداں مبالغہ نہیں، جس کے حل کے لئے تمام علمی، روحانی، سیاسی اور فقہی حلقوں کا سرجوڑ کر بیٹھنا لازم ہے اور وہ ہے "بے قید و حد نجی ملکیت کا مسئلہ"

اس موضوع پر اگرچہ متعدد مستقل تصانیف اور جذباتی مضامین آ چکے ہیں لیکن یہاں بھی انتہا پسندی کا غلبہ ہے اور محض نظری اور فلسفیانہ ضرورتوں کو پورا کیا گیا ہے اور کتابی حوالوں کی بھرمار ہے جبکہ اس مسئلہ کے لئے قابلِ قبول اور معتدل عملی شکل مطلوب ہے۔

ایک کے ہاں زاویہ نظر اشتراکیت سے جڑا ہوا ہے اور دوسرے کا سرمایہ داری سے گتھا ہوا ہے کہیں ہر طرح کی نجی ملکیت کی نفی ہے اور کہیں لامحدود ملکیت کا تصور۔

یہ بات بہرحال طے ہے کہ مسلمانوں کے طبقہ غرباء کے جذبات اس معاملے میں شدید اور تجربات انتہائی تلخ ہیں، اور ان کا کہنا بجا ہے کہ طبقہ امراء نے اسلام کے حوالے اور مصلحت کیش مذہبی رہنماؤں کے سائے میں بڑے مزے لوٹ لئے، کیوں کہ اسلام کی پوری فکر پر جس قدر تصور آخرت کی چھاپ ہے اس قدر حصول زر، اکتناز، اور حب دنیا کی گنجائش کم سے کم نکلتی ہے اور پھر اس معاملے میں بذات خود اسوۂ حسنہ جناب رسالتمآب ﷺ ہمارے سامنے صحیح شکل میں موجود ہے کیوں نہ اسے رہنما بنا کر اس مسئلہ کا حل نکالا جائے لیکن اس کے لئے مجتہدانہ بصیرت اور قوت فیصلہ درکار ہے۔

Marfat.com

یہ ہیں وہ چند مسائل جو اس انبار میں سے بطور نمونہ نکالے گئے ہیں ورنہ علاوہ ازیں اسلام میں جمہوریت ، پارٹی سسٹم ، پارلیمانی و صدارتی نظام ، ووٹ کی حیثیت ، انتخاب خلیفہ ایسے معاملات بھی حل طلب ہیں تاکہ پوری امت بالعموم اور پاکستانی ملت بالخصوص آئے روز کے تجربات (اور وہ بھی خام تجربات) سے نجات پا لے۔

Marfat.com

ہمارا معاشرہ "رستا ناسور" کیوں بنتا جا رہا ہے؟

☼

جس معاشرے کی مسجد اور بازار میں ایک ہی زبان استعمال ہوتی ہو یعنی گالی کی زبان، جس کی منڈی مین ملنے والی ہر چیز ملاوٹ زدہ ہو حتیٰ کہ جان بچانے والی دوائیاں بھی! جس سوسائٹی میں قانون کانا ہو ایک طرف سے آنکھ بند رکھتا ہو جہاں عدل کی ترازو و بار روز اور زر سے جھکائی جاتی ہو، جس جگہ باڑھ، کھیت چرنے کا شغل فرماتی ہو، جو دور اپنے دامن سے شریفوں کو جھٹکا دے کر باہر پھینک دیتا اور اذیلوں کو کنگرو کے بچے کی طرح اپنے سینے میں سموئے رکھتا ہو، جس عہد میں انسان کے خون اور نالی کے پانی میں تمیز نہ رہ گئی ہو، شہر و دیہات میں نوک زبان نوک شمشیر بن گئی ہو، جہاں ہر نظر دوسرے کے لئے تیر کی انی ہو کر رہ گئی ہو، آنکھیں شعلہ بار اور ہاتھ دست قضا بن گئے ہوں تکلف برطرف ایسے معاشرے کو رستا ہوا ناسور کہنے میں کیا حرج ہے؟

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

گذشتہ چند سالوں سے صاف طور پر دکھائی دے رہا ہے کہ ہمارا معاشرہ مجموعی طور پر "ذہنی بغاوت" کی راہ پر گامزن ہے ، افراد معاشرہ اس راہ پر لگے ہوئے تہذیبی ، دینی ، قومی ، سیاسی ، اخلاقی اور معاشرتی سنگ میل بڑی بے دردی سے روندتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہے ہیں ، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سال بعد ایک انتہائی گہری اور اندھی کھائی سامنے آئے گی اور پورا معاشرہ اس میں گر کر خودکشی کر لے گا ، بڑے سے بڑے مذہبی و سیاسی لیڈر سے لے کر ایک عام کارکن تک اور کسی ارب پتی سے لے کر نان شبینہ کے محتاج تک کی نفسیات میں انارکی ، تشدد ، عدم برداشت ، ہوس اور نفس پرستی کے اجزاء "غالب عنصر" کا درجہ حاصل کر چکے ہیں "ذہنی بغاوت" بذات خود کوئی بری چیز نہیں بشرطیکہ اس کا حوالہ اور ہدف طے ہو ، حوالہ اور ہدف کے بغیر یہ رجحان نرم سے نرم الفاظ میں خودکشی اور "گھر پھونک تماشا دیکھ" کا دوسرا نام ہے۔

حوالہ اور ہدف سامنے ہو یعنی پس منظر اور پیش منظر واضح ہو تو یہی ذہنی بغاوت ابراہیمؑ کو نمرودی معاشرے سے برسر پیکار کر دیتی ہے اور یوں "ملت حنیف" سے دنیا روشناس ہوتی ہے۔

اسی ذہنی بغاوت کے سبب موسیٰ کلیم اللہ فرعون کو اس کے لاؤ لشکر سمیت غرق دریا کر دیتے ہیں ، اور یہی ذہنی بغاوت عالم انسانی کو جمود کے مقابلے میں اجتہاد ، غلامی کے مقابلے میں آزادی ، تمیز بندہ و آقا کے عہد میں مساوات انسانی ، جبر و ستم کے زمانے میں آداب خود آگاہی اور جہالت و پسماندگی کے مدمقابل سائنسی ترقی سے مالا مال کرتی ہے ، لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے کچھ ایسی دوڑ لگ گئی ہے کہ نہ باگ پر ہاتھ رہ گیا ہے اور نہ رکاب میں پاؤں ، کوئی اس منہ زور گھوڑے کو تھامے تو کیسے؟

وہ دیمات جنہیں روایات کا امین سمجھا جاتا رہا ہے اب جہنم کا نقشہ پیش کر رہے ہیں قتل ، خونریزی ، عصمت دری ، رسہ گیری ، جہالت ، انتقام ، کینہ پروری ، ایسے افعال قبیح دیہی تمدن کا تعارف بن

Marfat.com

گئے ہیں ، رہے شہر جو تعلیم ، تہذیب ، شائستگی اور ترقی کا گہوارہ جانے جاتے تھے اب ان کے دامن میں اخلاق باختگی اور شہدہ پن ، کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں ، جوانی کے لبادے میں درندگی پل رہی ہے ، خوف اور دہشت کا بھوت گھروں ، اور بازاروں کے منڈیر پر برابر محو رقص ہے ، راتوں کو روشن ہونے والے چراغ اب دن کو جلانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کیوں کہ آدمی کو آدمی بجھائی نہیں دے رہا ، اور انسانوں کے انبوہ میں آدمی تنہا ہو کر رہ گیا ہے ، اگر درندوں کا غول انسانی بستی پر حملہ کر دے تو تشویش سب کو ہوتی ہے مگر تعجب کسی کو بھی نہیں کہ یہ عین ممکن اور متوقع ہوتا ہے مگر جب انسان انسانوں کی بستی پر جبڑے تیز کر کے چڑھ دوڑیں تو یہ ہر امکان اور توقع کے برعکس ہوتا ہے جب یہ انہونی "ہونی" بنتی نظر آئے تو قیامت برپا ہونے میں کتنی دیر باقی رہ جاتی ہے؟ کچھ یہی نقشہ ہمارے معاشرے کا ترتیب پا رہا ہے اس نقشے میں بھرے جانے والے رنگ سے کوئی کھال مست خوف محسوس نہ کرے تو اس کی مرضی ورنہ ہر وہ شخص جس کے ہاں تصور عصمت ہے ، جس کے گھر کا تقدس ہے ، جس میں ابھی جوہر آدمیت ہے ، جس کو اپنے آشیانے سے پیار ہے ، جو زندگی کو بیگار نہیں مقدس امانت سمجھتا ہے ، جس کی آنکھوں پر چربی نہیں چڑھی ، جس کے دل پر غلاف نہیں پڑا ، جس کے کانوں میں کاگ نہیں اور جس کی ہر سانس پر ہوس غالب نہیں آ گئی ، وہ یہ سب کچھ لٹتا اور خاک میں ملتا دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو بہاتا ہے ، وہ سمجھتا ہے کہ جہان سنگ و خشت سے آباد نہیں ہوتے بلکہ احساسات و جذبات کی گرمی ہی نبض جہاں کو رواں رکھتی ہے اگر یہ احساس و جذبہ ہی سڑ کر کوئلہ اور بے رمق ہو کر پتھر بن جائے تو شہر اور بن میں کچھ فرق نہیں رہ جاتا دونوں جگہ ایک ہی مخلوق کا راج ہوتا ہے جسے ہم سب درندے کہتے ہیں۔

جس معاشرے کی مسجد اور بازار میں ایک ہی زبان استعمال ہوتی ہو یعنی گالی کی زبان ، جس کی منڈی مین ملنے والی ہر چیز ملاوٹ زدہ ہو حتیٰ کہ جان بچانے والی دوائیاں بھی! جس سوسائٹی میں قانون کانا ہو ایک طرف سے آنکھ بند رکھتا ہو جہاں عدل کی ترازو زور اور زر سے جھکائی

Marfat.com

جاتی ہو ، جس جگہ باڑھ ، کھیت چرنے کا شغل فرماتی ہو ، جو دور اپنے دامن سے شریفوں کو جھٹکا دے کر باہر پھینک دیتا اور رذیلوں کو کنگرو کے بچے کی طرح اپنے سینے میں سموئے رکھتا ہو ، جس عہد میں انسان کے خون اور نالی کے پانی میں تمیز نہ رہ گئی ہو ، شہر و دیہات میں نوک زبان نوک شمشیر بن گئی ہو ، جہاں ہر نظر دوسرے کے لئے تیر کی انی ہو کر رہ گئی ہو ، آنکھیں شعلہ بار اور ہاتھ دست قضا بن گئے ہوں تکلف برطرف ایسے معاشرے کو رستا ہوا ناسور کہنے میں کیا حرج ہے؟ کچھ منطقی مغالطے شاید ہمارا ساتھ نہ دیں لیکن "چشم دید" مشاہدے اس صورتحال کا انکار نہیں کر رہے ، جس طرح حادثہ دفعتاً رونما نہیں ہوتا اسی طرح قوم و ملک بھی چشم زدن میں زوال آشنا نہیں ہوتے کچھ علامات ظاہر ہوتی ہیں اور کچھ اسباب سامنے آتے ہیں علامات نوٹ کر لی جائیں تو علاج شروع ہو سکتا ہے اسباب دور کر دیئے جائیں تو مرض رفع ہو سکتا ہے ، ہر مرض "مرض مزمن" بننے سے پہلے یقیناً قابل علاج ہوتا ہے بعدازاں "مرض مزمن" مرض نہیں رہتا فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کا کیا علاج؟ ہمارا ہنستا بستا ملک یکایک آسیب زدہ کیوں ہو گیا؟ روشنیوں کی بستی کراچی پر خون آشامی کی پان کیوں چڑھ گئی؟ وادی مہران (سندھ) خطہ قہرمان کیوں بن گئی؟ رشتے راستے کی دیوار کیوں بننے لگے؟

اصول امر فضول کیوں بن گیا؟ روایات ہماری نظر میں واہیات کیوں ٹھہر گئیں؟ ہر اچھی قدر دربدر کیوں ہو گئی؟ کشادہ نظری کی جگہ کشیدگی نے کیوں لے لی؟ اہل مذہب غیر مہذب درس کیوں دینے لگے؟ سیاست کار فریب کار کیوں ہوئے؟ درس گاہیں قتل گاہیں کیسے بن گئیں؟ علم پر قلم کیوں غالب آگئی؟ قلم کی جگہ ہاتھ میں بیٹ اور بندوق کیوں آ گئے؟

یہ پاکستان کبھی ایسا تو نہ تھا ، حضرت انسان کبھی ایسا تو نہ تھا ، کچھ اسباب و عوامل ہیں جو میری سمجھ کے مطابق اس بیماری کی جڑ ہیں اب بھی ہم پیچھے پلٹ سکتے ہیں ، شاید کھویا ہوا سکون دوبارہ مل جائے اب جس کو بڑے بوڑھے تو کیا بچے تک ترس گئے ہیں آخر کب تک ماں باپ بچے کے سکول سے گھر واپس آنے تک دروازے پر انتظار کرتے

Marfat.com

رہیں گے اور کب تک بچے کلاس روم سے ماں باپ کی گود تک کا درمیانی عرصہ خوف و دہشت کا شکار بنے رہیں گے؟اہل نظر کچھ تو سوچنا چاہیئے ! ہمارے تجزیے کے مطابق اس معاشرتی بگاڑ کے چند اسباب یہ ہیں جنہیں ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں ' دوسرے اصحاب کسی اور پہلو سے اس کا تجزیہ کرتے ہوں گے ' بیماری کی تشخیص ہو جائے تو علاج کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اللہ کرے کسی طریقے سے اس روگ سے میری اور اہل وطن کی جان چھوٹے !•

معاشرتی بگاڑ کے اسباب و عوامل

بے مقصدیت :- انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ مکروہ اور ذلیل لفظ غلامی ہے کیونکہ غلامی کا مطلب جوہر آدمیت سے محرومی اور شرف انسانی کا فقدان ہے لیکن اہل نظر بے مقصدیت اور بے یقینی کو غلامی سے بھی زیادہ مہلک اور نقصان دہ قرار دیتے ہیں،اور شومئی قسمت کہ یہی بے مقصدیت ہمارا شعار ہو کر رہ گئی ہے ' مقصد خواہ امامت دنیا ہو یا فلاح اخروی ' پیش نظر کچھ تو ہونا چاہیئے جس طرح پودے کے لئے گوڈی ' کھاد اور پانی ضروری ہوتے ہیں اسی طرح صلاحیت کے اظہار کے لئے کسی مقصد اور ہدف کا ہونا ضروری ہے ورنہ پودا بھی سوکھ جاتا ہے اور صلاحیت بھی مر جاتی ہے ' اس لئے ہر دور میں افراد اور اقوام اپنے لئے ایک مقصد متعین کرتے ہیں خواہ وہ جہانبانی ہو ' اپنی قومیت کی حفاظت ہو ' سائنسی ترقی ہو ' مادی برتری ہو ' علمی فضیلت ہو ' جنگی صلاحیت ہو ' ایٹمی طاقت ہو ' سیاسی تغلب ہو کچھ ہو لیکن یہ سبھی چیزیں مہمیز کا کام دیتی ہیں ' ہر بڑا چھوٹا اپنے اوپر ایک دھن سوار کر لیتا ہے ' اور سوتے جاگتے ایک ہی خواب دیکھتا ہے ' اپنی زندگی میں مقصد پا لیں تو فہوالمراد ورنہ آئندہ نسلوں کے لئے ایک ورثہ ' ایک سوچ ' ایک ولولہ ' ایک آرزو اور ایک جستجو چھوڑ جاتے ہیں ' اور ایسی قومیں یا افراد ہر عہد کی بدلتی کروٹ میں اپنے وجود ' اپنی ہستی اپنی شناخت اور اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں-

مگر ہم بحیثیت مجموعی ۷۰ء کے بعد بے مقصدیت کا شکار بن کر رہ

Marfat.com

گئے ہیں اس سے پہلے بھی مقصد ہم پر چنداں غالب اور حاوی نہ تھا لیکن بے مقصدیت کی لہر اتنی تیز نہ تھی جتنی اب ہے بلکہ اب یہ لہر ایک سیلاب کی صورت اختیار کر گئی ہے جس میں ہر کہ ومہ تنکوں کی طرح بہے چلے جا رہا ہے ' ہمارے بڑے بوڑھوں کے ریشے تو پھر بھی ماضی کے مہ و ایام میں کسی حد تک پیوست ہیں مگر نسل نو اپنی کھونٹی سے رسے تڑا کر بھاگ نکل کھڑی ہوئی ہے ایک دھماچوکڑی ہے جس کے شور سے ہر شریف انسان اپنے کانوں میں انگلی ٹھونسنے پر مجبور ہے۔

ہم اپنے اندر نہ یہ تڑپ رکھتے ہیں کہ ہمارا ملک خوشحال ہو ' قرضوں سے نجات پائے ' سیاسی استحکام حاصل کرے ' خودکفیل ہو ' ایٹمی طاقت بنے ' علاقے کے فوجی اور سیاسی توازن میں اپنا کردار ادا کرے ' اقتصادی غلامی سے چھٹکارا پائے ' اور نہ یہ آرزو ہے کہ ہماری انفرادی زندگی دیانت ' امانت ' شرافت ' عدالت ' مروت ' ایسے جواہر سے تابدار ہو ' نہ یہ ولولہ ہے کہ ہم اپنے ملک اور اپنی ذات کو دنیا بھر کے لئے قابل رشک بنائیں اور نہ یہ سوچ ہے کہ چار دن کی چاندنی کے بعد گھپ اندھیرا آنے والا ہے اور سوائے خدا کی ذات کے کوئی مونس و غمخوار نہیں ہو گا کچھ اس دن کی تیاری کر لیں کہ جب وہ طلوع ہو گا تو تیاری کی مہلت ختم ہو چکی ہو گی۔

ہمارے سارے شوق اور جذبے وقف ہیں ہڑتالیں کرنے ' جلوس نکالنے ' بسوں اور ویگنوں اور کاروں کے شیشے توڑنے کے لئے ' ساری تدبیریں ہوتی ہیں ملاوٹ کے مختلف طریقے ایجاد کرنے ' امتحانات میں نقل کرنے ' جعلی پاسپورٹوں کے ذریعے بیرون ملک جانے ' غبن اور پلاٹوں پر قبضے کرنے لئے!

اسی بے مقصدیت کا ایک اور مظہر یہ ہے کہ نسل نو اپنے آئیڈیلز بدل رہی بلکہ بدل چکی ہے اب اس کے لئے طارق بن زیاد ' محمد بن قاسم ' صلاح الدین ایوبی ' سراج الدولہ ' سلطان ٹیپو ' ڈاکٹر عبدالقدیر خان ' عبدالستار ایدھی ' کوئی معنی نہیں رکھتے ' اب ہر نوجوان کرکٹر ' ایکٹر ' گلوکار اور کھم جو بننے کی دھن میں مبتلا ہے ' ہر کوچہ و بازار کرکٹ گراؤنڈ اور گھر کے کمرے فلم سٹوڈیو کا نقشہ پیش کر رہے ہیں ' ہم

Marfat.com

یہ ہرگز نہیں کہتے کہ کوئی کرکٹر نہ ہو ، اداکار نہ بنے ، گلوکار پیدا ہی نہ ہوں مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ پوری قوم کرکٹر بن جائے ہر ایک اداکار ہو ، سب کے سب گلوکار قرار پائیں ہر چیز اپنے صحیح تناسب کے ساتھ اچھی لگتی ہے ، یہ مشغلے شائد بہت ضروری ہوں مگر تعلیم ، تربیت ، ادب ، سائنسی ترقی ، اعلیٰ اقدار اور روح اسلامی اور شرف انسانی کا قطعاً متبادل نہیں بن سکتے ، جو قوم بیٹ بلے اور فیشن کی جنگ جیتنے پر تل جائے اس سے بڑھ کر بے مقصدیت اور کیا ہو گی؟ یہی وجہ ہے کہ آج ملک میں اشیائے ضرورت کی دکانیں ، اخباروں کے سٹال اور کتابوں کے شو روم بہت کم لیکن ہر کارنر پر بیوٹی سپاٹ ، سلمنگ سنٹر ، بیوٹی پارلر ، بوتیک ، اور میوزک شاپس ضرور موجود ہوں گے ، یہ روز افزوں رجحان کم سے کم ہمارے ذہنی افلاس کی چغلی ضرور کھا رہا ہے کہ ہم کہاں سے چلے تھے اور رفتہ رفتہ کہاں تک آ پہنچے ہیں ، اگر یہ سب کچھ محض تفریح طبع کے لئے ہو تو چنداں قابل اعتراض نہیں لیکن یہ شوق ہمارا روگ اور خبط بنتا جا رہا ہے اور یہ تو طے ہے کہ روگی اور خبطی لوگ معاشرے میں مثبت رویوں کو فروغ نہیں دیتے ، یہ جنون بسا اوقات منفی ردعمل کا اظہار کرتا ہے اور اس کے کرتتے اور مظاہر آئے دن جرائم اور تشدد کی شکل میں دیکھنے کو ملتے رہتے ہیں۔

مذہب سے بیگانگی اور بیزاری :۔ یہ کہنے کی جسارت کروں تو مجھے قابل معافی سمجھا جائے کہ آج بغیر کسی دلیل ، بنیاد اور جواز کے مذہب سے بیزاری ایک فیشن سا بن گیا ہے ، مذہب چونکہ انسان کو بعض حدود کا پابند ، سنجیدہ اور عادات و اطوار میں ایقان و پختگی کا عادی بناتا ہے اور ہم ٹھہرے ہر حد و قید کو توڑنے والے ، کھلنڈرے ، منفی رویوں کے رسیا اور یقین و استحکام سے خار کھانے والے اس لئے سرے سے مذہب سے برگشتگی ہی کو اپنا طرۂ امتیاز اور فیشن بنا لیا ہے کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بنسری ، صرف ایک لمحے کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے تو یہ فقرہ کہنے کی اجازت اہل یورپ کو تو دی جا سکتی ہے جنہوں نے مذہب سے الگ ہو کر دنیا میں

Marfat.com

معیشت اور سائنس کے اعتبار سے ترقی کی ہے (اگرچہ ترقی کا یہ مفہوم میری نظر میں محل غور و فکر ہے)ظاہری چمک دمک کے عوض یورپ نے جو اپنے باطن کو تاریک سرنگ بنا دیا ہے ، جہاں وہ اب خود کو بھی نہ ڈھونڈھ سکتا ہے اور نہ پہچان سکتا ہے تو یہ کوئی ترقی نہیں تاہم برائے بحث یہ تسلیم کر لیتے ہیں لیکن ہم یہ جملہ کس منہ سے ادا کرتے ہیں کہ مذہب چھوڑ کر ، ہمیں بجز آوارگی ، انار کی ، تشدد ، اخلاقی و معاشرتی کرپشن ، اصول و اقدار کی پامالی ، فرسٹریشن ، اور نفس پرستی کے کیا نصیب ہوا ہے؟

اصل میں ہم سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے مذہب کو بعض اداروں اور افراد کے ذریعے سے جانچا اور پرکھا اور ہم ٹھوکر کھا گئے ، ان اداروں یا افراد کی بعض کوتاہیاں ہمارے لئے نیچے اترنے کی سیڑھی بن گئی ، اور پھر ہم نیچے اترتے ہی چلے آئے اور پاتال میں جا گرے اگر مذہب کو ہم اللہ و رسول اور عرفان ذات اور شعور خودی کے حوالے سے دیکھتے تو مذہب ہماری خارجی نہیں بلکہ اندرونی ضرورت محسوس ہوتا اور ہم اس سے گریز کا راستہ نہ نکالتے ، ہم بدقسمتی سے سمجھ بیٹھے کہ سوسائٹی اور مذہب ، ذات اور اجتماع ، فرد اور ملت ، جسم اور روح ، دماغ اور دل ، تصور اور عمل یہ سب مختلف چیزیں ہیں حالانکہ ان ہر دو کا آپس میں پھول اور خوشبو ، سورج اور کرن ، پانی اور نمی اور ناخن اور گوشت کا تعلق ہے جو کسی صورت میں ایک دوسرے سے نہ مختلف ہیں اور نہ جدا ہو سکتے ہیں ، اور کسی مصنوعی عمل کے ذریعے انہیں الگ کر دیا جائے تو ایک نہ ایک چیز کی نفی ہو جائے گی ، یعنی پھول ہو اور خوشبو نہ ہو تو پھول بے معنی رہ جاتا ہے ، کرن کا سورج کے بغیر کیا تصور ہے؟ پانی ہے تو نمی ہو گی اور ناخن کو گوشت سے جدا کر دیا جائے تو کتنی تکلیف ہو گی ، غرضیکہ مذہب (دین) ذات اور اجتماع ، فرد اور ملت ، جسم اور روح ، دماغ اور دل اور تصور اور عمل کے درمیان واسطہ اور رابطہ ہے جس طرح حیات طبعی کے ہر رگ و ریشے میں پانی موجود ہے اسی طرح حیات معنوی میں مذہب کارفرما ہے ، اس کو درمیان سے نکال دیا جائے تو یا ذات کی نفی ہو گی یا اجتماع کو چھوڑنا

Marfat.com

پڑے گا ، یا فرد مجروح ہو گا یا پھر ملت برباد ہو گی ایک نہ ایک چیز سے ہاتھ دھونا پڑے گا ، یورپ نے ایک چیز کو شعوری طور پر چھوڑا مگر ایک اس کے ہاں رہ گئی مگر ہماری مذہب سے بیگانگی یا برگشتگی چونکہ کسی دلیل کے بغیر محض چالو فیشن پر مبنی ہے اس لئے ہمیں دوہری مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے نہ ذات کا تشخص باقی رہا اور نہ اجتماع کا وقار بچ سکا ہے ، نہ ہم اپنا ظاہر سنوار سکے ہیں اور نہ باطن صیقل ہو سکا ہے۔

کوئی آدمی فقط شوق بحث پورا کرنا چاہے تو اس کی مرضی ورنہ مذہب انسان کو مہذب بنا دیتا ہے ، خدا سے تعلق انسان کو ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہونے دیتا جو وائے نصیب ہم ایک دوسرے سے ہوتے جا رہے ہیں ، رسول خدا سے محبت آدمی کو آداب انسانیت سکھا دیتی ہے ، احکام الٰہی کی بجا آوری افراد کو منضبط اور مربوط شخصیت کا حامل بنا دیتی ہے ، نماز ، روزہ ، حج زکواۃ محض مراسم نہیں زندگی کے سفر کے تربیتی مراحل ہیں بندہ اگر انہیں مکمل شعور و آگہی کے ساتھ ادا کرے تو اندر سے ایک شاندار اور محبوب انسان جنم لیتا ہے۔

آخرت کی جوابدہی کا احساس لوگوں کو شتر بے مہار نہیں بننے دیتا اور تکلف برطرف ہم "بے مہارے شتر" نہیں بن گئے کہ جو جس طرف چاہے منہ اٹھا کر چل دیتا ہے راستے میں کوئی قدر ، کوئی حد ، کوئی قانون ، کوئی معیار ، کوئی اصول آ جائے تو لتاڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

مذہب کا تاثر فرد اور معاشرے کے اندر جتنا گہرا ہو گا ناامیدی اور مایوسی کا وہاں گزر نہیں ہو گا فرسٹریشن ایسے امراض کا تعلق انسان کی عجلت پسندی سے ہوتا ہے کہ اگر اتنے وقت کے اندر خواہش کے مطابق یہ کچھ نہیں ہوتا تو آدمی زندگی سے اکتا جاتا ہے جبکہ مذہب انسان کو آخرت کا تصور دے کر سفر حیات کو مسلسل اور وسیع بنا دیتا ہے جس کے نتیجے میں آدمی بچگانہ روش کے بجائے ذمہ دارانہ انداز اپناتا ہے کیوں کہ وہ سمجھ جاتا ہے کہ

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

یہی وہ مایوسی اور فرسٹریشن ہے جو آدمی کو اپنی زندگی سے بیزار کر دیتی اور

Marfat.com

اس کی نظر میں زندگی اپنی معنویت اور کشش کھو دیتی ہے ، جس کے نتیجے میں انسان خود کو اپنے لئے اور دنیا کے لئے بوجھ سمجھنا شروع کر دیتا ہے ار بالآخر یا تو آدمی خودکشی کر لیتا ہے یا پھر خودکشی سے پہلے وہ مردم کشی پر تل جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ جب میرے لئے اس دنیا میں کوئی مصرف ، کوئی خوشی اور کوئی جاذبیت نہیں تو دوسرے بھرپور اور پرلطف زندگی کیوں بسر کریں؟اس طرح سے ایک جنون ، ایک انتقام ، اور ایک خون آشام رویہ پیدا ہو جاتا ہے۔

مذہب آدمی کے سامنے کائنات کا بامعنی تصور ، زندگی کا حسین تجربہ ، شخصیت کا پیداواری پہلو اور آخرت کا ایک خوبصورت عقیدہ پیش کرتا ہے جس سے ذہن میں پرورش پانے والے مفسد جراثیم ، سوچ کے منفی زاویے ، مردم بیزاری کا انتقامی جذبہ اور نفس پرستی و خودغرضی کا مکروہ مواد خودبخود تحلیل ہو کر آدمی صحیح معنوں میں آدم زاد اور انسان حقیقی طور پر انسانیت نواز بن جاتا ہے۔

اگر تعمق نظر دیکھا جائے تو مذہب سے گریز اور بیزاری ہمارے معاشرے کے بگاڑ کا ایک قوی اور اہم عامل ہے۔

نفاذ قانون میں طبقاتی امتیاز

ہمارا معاشرہ تشدد اور انتقام کے جس خونی چکر میں تیزی سے پھنستا چلا جا رہا ہے اس کا ایک سبب نفاذ قانون میں طبقاتی امتیاز کا رویہ ہے ، ہمارے ہاں قانون جیسا بھی ہے بہرکیف اس کا مقصد جرائم کا خاتمہ اور انارکی کا قلع قمع ہے مگر بدقسمتی سے قانون اپنے جملہ الفاظ و تراکیب کی خوبصورتی کے باوصف وہ کچھ نہیں کر پا رہا جو اس کی تدوین اور تنفیذ کا مقصد واقعی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی میں دو طبقات ہیں ایک وہ جو قانون کی چکی میں پستا اور دوسرا جو خود قانون کو پیستا ہے ، جہاں ایسی دو عملی ہو گی وہاں سب سے زیادہ مظلوم اور قابل رحم خود قانون ہو گا ، وہ قانون ہی کیا جو کسی کا چہرہ ، کسی کا شجرۂ نسب ، کسی کا اشارۂ ابرو ، کسی کا سیاسی منصب ، کسی کا جاہ و جلال اور کسی کی ذات برادری دیکھے ، قانون تو ایسی بالاتر میزان ہوتی ہے

Marfat.com

جہاں سب کی بالاتری اور کمتری ایک باٹ تلتی ہے معزز صرف وہی ہوتا ہے جسے قانون بے گناہ قرار دے دے اس کائنات انسانی میں کون مائی کا لال ہے خواہ وہ دارا و سکندر ہو ، یا تیمور و چنگیز ، لودھی ہو یا غزنوی ، بلبن ہو یا خلجی ، جاٹ کہلاتا ہو یا گجر ، صدر ہو یا گورنر ، چودھری صاحب ہوں یا پیر صاحب جو خود کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ معتبر سمجھتا ہو یا دنیا کا کوئی فرد اسے معزز گردانتا ہو ، اس آسمان نیلگوں کے نیچے اور دھرتی کے سینے پر ایسا کوئی بھی نہیں نہ بزعم خویش اور نہ بہ گمان دیگر ، لیکن پیغمبر خدا اپنی اس تمامتر جلالت ، عظمت ، عصمت ، تمکنت ، اور تقدس کے باوجود سب سے بڑھ کر قانون کی پابندی کرنے والے اور اپنے اوپر قانون کو نافذ کرنے والے تھے اور انہوں نے دنیا بھر کو یہ انقلابی اور عبرت آموز درس دیا کہ ”تم سے پہلے قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان کا چھوٹا کوئی جرم کرتا تھا تو وہ قانون کے مطابق سزا کا مستحق ٹھہرتا مگر ان کا بڑا قانون کے دائرے سے آزاد سمجھا جاتا تھا“ ہمارا معاشرہ اسی رسول ؐ کا کلمہ گو اور امتی ہے مگر رویہ اور طرز عمل یہ ہے کہ ہر شخص قانون کو لتاڑنا اور غچہ دینا فن اور عزت سمجھتا ہے جبکہ باشعور معاشرے میں طاقتور وہ ہوتا ہے جو قانون کا پابند ہو اور کمزور وہ جو قانون شکنی کرتا ہے کیوں کہ قانون شکن کے لئے معاشرے کے اجتماعی ضمیر میں کہیں بھی جائے پناہ نہیں ہوتی اور وہ خود کو تن تنہا اور بے یارومددگار سمجھنے لگتا ہے۔

ہمارے یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے صدر سے لے کر تحصیلدار تک یہ باور کر بیٹھے ہیں کہ اگر ہمیں قانون کی پابندی ہی کرنا تھی تو پھر صدر ، وزیراعظم ، وزیر ، گورنر ، سیکرٹری ، کمشنر ، تحصیلدار اور تھانیدار بننے کی کیا ضرورت تھی؟ قانون رعایا کے لئے ہوتا ہے حاکموں کے لئے قانون چہ معنی دارد؟ چنانچہ آئین تک میں اپنے لئے تحفظات پیدا کر لئے گئے ، اور یہ امر اپنے لئے انتہائی توہین آمیز فرض کر لیا گیا کہ ہم اور عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں؟ ہم اور ہمارے خلاف قانونی چارہ جوئی ہو؟ ہم اور ہمارے خلاف ایف آئی آر درج ہو؟ ہم اور ہمارے اعمال و احوال کی بازپرس ہو؟ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ،

Marfat.com

ہمارے بڑوں کی یہ سوچ جرائم کی پرورش کے لئے گویا ایک نرسری ہے ، جب کوئی غریب ، کمزور اور عام آدمی اپنی آنکھوں سے افسروں کی بدمعاشیاں ، ارباب زر و جاگیر کی عیاشیاں اور ان کی بدمست اولاد کی خرمستیاں دیکھتا ہے تو اگر وہ پتھر اور لوہے کا بنا ہوا نہیں تو یقیناً ان کرتوتوں سے متاثر بھی ہوتا ہے اور منفعل اور مشتعل بھی ، اور ویسا ہی قانون کی بے احترامی کا رجحان اس کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے تاہم جب قانون کے نفاذ کا مرحلہ آتا ہے تو بگڑے ہوئے افسر اور امیرزادے ہر گرفت سے آزاد اور ویسے کے ویسے معزز ہوتے ہین اور غریب کا بیٹا ہتھکڑیوں سمیت عدالت کے کٹہرے میں قید بامشقت کی سزا سن رہا ہوتا ہے معمولی سپاہی اور پٹواری رنگے ہاتھوں ساٹھ روپے رشوت لیتا پکڑا جائے تو اس کی مائیں بہنیں اور بیٹیاں تک تھانے کی حوالات میں پہنچ جاتی ہیں اور افسران کرام ، وزراء کرام اور ممبران کرام کروڑوں روپے ہضم کر جائیں ، غریب دہقان کی عزت تار تار کر دیں ، بستی کی بستیاں اجاڑ ڈالیں ، بھرے بازار اور مصروف چوک میں کلاشنکوف سے دسیوں انسانوں کو بھون ڈالیں تو قانون بیچارہ دانتوں میں انگلی دبائے ، شرم سے سر جھکائے ، اور بے بسی سے منہ لٹکائے سراپا استفسار ہوتا ہے۔

ع بتا تیری رضا کیا ہے

ایسے ماحول میں کوئی فلاسفر ، کوئی تجزیہ نگار اور کوئی واعظ اور ناصح بیروزگار نوجوانوں ، چودھریوں کے ستم رسیدہ دہقانوں ، افسروں کے زخم خوردہ سائلوں ، حکمرانوں کے کرتوتوں سے بیزار ماتحتوں ، زمینداروں سے اکتائے ہوئے کاشتکار کے بیٹوں سے یہ توقع رکھے کہ وہ شعور ، حلم ، صبر اور بردباری کا مظاہرہ کریں تو

ع ایں خیال است و محال است و جنوں

جب حاکمان وقت اور ان کے لاڈلوں اور حواریوں کو خدا کی تمام نعمتیں ملنے کے باوجود شعور نہیں آتا ، حلم ان کی فطرت میں نہیں ، صبر کا لفظ انہوں نے پڑھا ہی نہ ہو ، بردباری انہیں چھو کر نہ گئی ہو ، اور دیانتداری سے بیگانہ محض ہوں تو تنگ گلیوں میں پلنے والے نان شبینہ کو

Marfat.com

ترنے والے ، ہر موڑ پر عزت نفس گنوانے والے ، قدم قدم پر اپنی غیرت اور خودی کو نیلام ہوتا دیکھنے والے اور دربدر ٹھوکریں کھانے والے کیسے ان فلسفیانہ تصورات سے آگاہ ہو سکتے ہیں؟

نو دولتیا طبقہ :۔ہمارے معاشرتی بگاڑ میں نودولتیا طبقے کا مزاج اور کردار بھی خاصا اہم ہے ، جسے نظرانداز کر کے ہم شاید اس حساس مسئلے کا ہمہ جہتی تجزیہ نہ کر سکیں ، یہ طبقہ بہت ہی قلیل مدت میں ابھرا ہے مگر اس نے پورے معاشرتی ڈھانچے کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے ، اگرچہ پشتینی جاگیردار اور روائتی سیٹھ اور سرمایہ دار صدیوں سے ہمارے ہاں موجود ہیں ، اور ان کی خرابیاں بھی محتاج بیان نہیں تاہم وہ لوگ برس ہا برس سے اس عمل کا حصہ ہیں چنانچہ کچھ روایات ، کچھ قدریں اور کچھ تقاضے ان کے ہاں بڑے اہتمام سے ملحوظ رکھے گئے ، جس سے معاشرہ عمومی بگاڑ بناوٹ ، نمائش اور اتھلے پن کا شکار نہیں ہوا لیکن نودولتیا طبقہ چونکہ کسی عمل کا حصہ نہیں بلکہ بعض اتفاقات اور عاجلانہ اقدامات کے ذریعے بہت تھوڑے وقت میں مستحکم اور متعارف ہوا ہے اس لئے اسراف ، تبذیر ، دولت کی نمائش ، فیشن پرستی ، عہدے کے حصول کی ہوس اور اقدار و روایات کے خلاف بغاوت کی کیفیات ہمارے معاشرے کے معمولات میں شامل ہو گئیں ، جس سے گویا ایک فلڈ گیٹ کھل گیا اور ہر کس و ناکس اس کے بہاؤ کی نذر ہو گیا نودولتیا طبقہ کسی علمی صلاحیت ، فنی قابلیت ، اور ذہنی مہارت کے باعث وجود میں نہیں آیا بلکہ سمگلنگ ، ملاوٹ ، رشوت ، چور بازاری ، ذخیرہ اندوزی ، چھینا جھپٹی ، منشیات کی تجارت اور اس طرح کے دیگر ذرائع کے بل بوتے پر دیکھتی آنکھوں زر و جواہر میں کھیلنے لگا ہے اس لئے وہ صبر ، تحمل ، برداشت ، میانہ روی ، قناعت ، وقار اور غنا ایسے اوصاف اپنے اندر پیدا نہیں کر سکا اور نہ وہ اپنے مخصوص مزاج کے باعث پیدا کر سکتا تھا ، اس کا اثر یہ ہوا کہ شادی ہو یا مرگ ، مکان کی تعمیر ہو ، یا دفتر کا قیام ، لباس کی تراش خراش ہو یا طرز بود و باش ، ہر ایک حوالے سے ایک چھچھورا پن پیدا ہوتا چلا گیا ، معاشرے میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ہر عمل اور ردعمل کو اس کے پورے نظام کے ساتھ منسلک کر کے دیکھنے اور پرکھنے کے

Marfat.com

عادی ہوں اور وہ اس تصنع اور بناوٹ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں ، چنانچہ ہر آدمی انہیں دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگ گیا اور عالم تصور میں خود کو ویسا ہی دیکھنے کی آرزو کرنے لگا ، ایک دن میں مہنگا پلاٹ خریدا چوتھے روز بنگلہ تیار ہو گیا ، گھروں میں ٹی وی ، فریج ، وی سی آر ، قالین ، صوفے اور سامان آرائش کی بھرمار شروع ہو گئی ، ملبوسات کے نئے سے نئے ڈیزائن وجود میں آنے لگے ، جدید ترین ماڈل کی گاڑیاں گیراج میں پہنچ گئیں ، بھاری اور قیمتی زیورات پہن کر جانا ہر محفل اور تقریب کے آداب میں شامل ہو گیا ، ہزاروں روپے کے عروسی جوڑے اور کامدار ساڑھیاں ضرورت کا درجہ اختیار کر گئیں ، شادی بیاہ اور روزمرہ کی دعوتوں کے لئے اونچے اور مہنگے ہوٹلوں کا رخ کرنا فیشن سا بن گیا ، اور ہر شریک محفل کے سامنے اپنی دولت و امارت کا اظہار ایمان اور عقیدہ بن گیا ، ایسے میں جو متوقع تھا وہ سامنے آنے لگ گیا کہ ہر شخص وہ کچھ کرنے کے لئے بے تاب ہو گیا جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا یعنی فیشن ، آسائش ، آرائش ، طمطراق اور نمائش !

اب ضروری تو نہیں کہ ہر اندھے کے ہاتھ میں بٹیر آ جائے ، بس ایک دوڑ سی لگ گئی ، اور اس دوڑ میں سارے رشتے ناتے پامال ہونے لگے ، چار دیواریاں پھلانگی جانے لگیں ، راستے غیر محفوظ ہونے لگے ، پستول تان کر چچا اور ماموں کی جیب صاف ہونے لگی ، ملکی سرحدیں اپنا تقدس سمگلنگ کے باعث گنوا بیٹھیں ، القصہ ہر شخص ایک ہی خواب دیکھنے لگا ، بنگلہ ، کار ، قالین ، صوفہ ، فریج ، ٹی وی ، وی سی آر ، فیشن ، ہوٹلنگ ، یہ خواب تو بلاشبہ سہانا اور دلکش ہے مگر تعبیر سامنے آئی تو بڑی بھیانک ، خوفناک ، تاریک ، اور مہلک تھی وہ جو ایک محاورہ ہے "سائے سے ڈرنا" اس وقت بلاشبہ ہر انسان اپنے سائے سے ڈر رہا ہے ، جہاں سائے ڈرانے لگیں وہ معاشرہ انسان کے لئے "معاشرہ" نہیں ایک مستقل "محاصرہ" بن جاتا ہے جس کی دیواروں سے آسیب چمٹے ہوں اور منڈیر پر بھوت منڈلاتے ہوں ، کوئی ہے جو اس مشاہدے کی تردید کر سکے ؟

Marfat.com

شہروں کا بے ہنگم پھیلاؤ :۔ اس عنوان کا بظاہر تعلق تو انتظامی معاملے سے بنتا ہے مگر درحقیقت شہروں کا بے ہنگم پھیلاؤ متعدد سماجی ، اخلاقی اور نفسیاتی قباحتوں اور خرابیوں کا ایک بہت بڑا موجب ہے ، جوں جوں شہروں کا سائز اور آبادی کا پھیلاؤ بڑھتا جائے گا توں توں معاشرتی بگاڑ روزافزوں ہو گا ، اسی لئے مخبر صادق ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی کہ "نئے بسائے جانے والے شہر ایک دوسرے سے مناسب فاصلے پر ہوں اور کسی بھی شہر کی آبادی مدینہ منورہ سے زیادہ نہ ہو" (مدینہ منورہ چند ہزار نفوس پر مشتمل شہر تھا)اس ہدایت اور حکم کی حکمت آج کے دور میں اظہر من الشمس ہے کہ کس طرح بڑے بڑے شہر سماج اور حکومتوں کے لئے مستقل درد سر بن جاتے ہیں ، مانا کہ بڑے شہر روزگار مہیا کرتے ہیں ، تسلیم کہ بڑے شہر تمدنی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتے ہیں مگر یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ یہی بڑے شہر فتنوں کی آماجگاہ اور مجرموں کی پناہ گاہ ہوتے ہیں۔

سوسائٹی میں جرائم کی بیخ کنی اور اخلاق فاضلہ کی نشوونما میں جہاں دوسرے موجبات کام کرتے ہیں وہاں ایک ذریعہ ہر فرد کا شخصی تعارف ، باہمی میل جول ، جان پہچان اور ذاتی سطح پر تعلقات کی استواری بھی ہے ، چھوٹے شہروں میں آباؤ و اجداد سے لوگ ایک دوسرے کے محلہ دار ہوتے ہیں اور ذاتی جان پہچان رکھتے ہیں اس لئے کوئی بھی شخص جرم کر کے اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتا یا تو بھاگ جائے گا اور دوبارہ شہر اور بستی میں داخل نہین ہو گا یا پھر رواج اور قانون کے مطابق سزا پائے گا اور ہر ایک کی نظر میں مشکوک اور مجرم ٹھہرے گا ، بڑے شہروں میں ایک محلہ تو کجا ایک گلی کے دو گھروں کا آپس میں کوئی رابطہ اور تعارف نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں ہر شخص ایک دوسرے سے ان جان اور بیگانہ ہوتا ہے کس کا گھر لٹا ، کس نے لوٹا؟ماسوائے اہل خانہ کے کسی کو نہ علم ہوتا ہے اور نہ احساس!

بڑے شہروں کے دیگر مسائل جو بظاہر انتظامی ہوتے ہیں لیکن ان کا سماج ، اخلاقیات اور نفسیات سے گہرا تعلق ہے ، ٹریفک ہی کو لے لیجئے ، ہزاروں بسیں ویگن کاریں رکشے موٹر سائیکل سڑکوں پر رواں دواں

Marfat.com

رہنے سے شور ، دھواں ، گرد و غبار ایسے مسائل مستقل مسائل ہیں اب جدید سائنس اور نفسیات نے ثابت کیا ہے کہ شور ، آلودگی اور گرد و غبار سے انسانی اعصاب بری طرح متاثر ہوتے ہیں رفتہ رفتہ لوگوں میں چڑچڑا پن ، غصہ ، عدم برداشت فشار خون ایسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جو جرائم کا ایک بڑا سبب ہیں ، اور پھر ٹریفک کے بے پناہ ہجوم میں دھکم پیل ہوتی ہے ، پیچھے سے پریشر ہارن بجتے ہیں ، گاڑیاں ٹکرا جاتی ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رگیں پھول جاتی ہیں ، بھنویں تن جاتی ہیں ، آستینیں اوپر آ جاتی ہیں ، بازو کی مچھلیاں ابھر آتی ہیں اور یوں تحمل ، اخلاق ، برداشت اور بردباری کا آبگینہ بیچ چوراہے کرچی کرچی ہو جاتا ہے ، ظاہر ہے جہاں لاکھوں لوگ بستے ہوں وہاں روزانہ کہیں نہ کہیں لڑائی ، جھگڑا ، فساد ہوتا ہی رہتا ہے یوں یہ سب کچھ نفسیات اور کلچر کا حصہ بن جاتا ہے۔

اسی طرح آبادی جہاں بھی بڑھے گی اور پھیلے گی اس حساب سے تجارتی ، کاروباری اور طبقاتی کشمکش بڑھے گی اور حسد ، حرص ، اور ہوس کی وبا پھیلے گی جس کا واضح مطلب اخلاقی بگاڑ اور معاشرتی فساد ہے۔

ایک اور زاویے سے دیکھا جائے تو بہت زیادہ آبادی والے اور پھیلے ہوئے شہر میں سماج کا ڈھانچہ ایک طرز پر استوار نہیں ہوتا اس کے متعدد اور ایک دوسرے سے متضاد پہلو اور دھارے ہوتے ہیں ، کچی آبادیاں اور انتہائی ماڈرن آبادیاں ، غریب علاقے اور امیر علاقے ، پرانی آبادیاں اور نئے محل ، کچی جھونپڑیاں اور ماربل کے محلات ، یہ سب کچھ پہلو بہ پہلو ہوتا ہے صرف یہی نہیں سہولتیں اور مراعات مختلف ہوتی ہیں ، کچھ علاقے راتوں کو بجلی کے قمقموں سے بقعہ نور بنے ہوتے ہیں اور بغل کا علاقہ روشنی سے محروم ، بعض آبادیوں کی سڑکیں صاف شفاف اور چمکدار ہوتی ہیں بعض علاقوں میں مریض اور میت لے جانے کے لئے راستہ تک مہیا نہیں ہوتا ، الغرض ایک ناقابل عبور خلیج حائل ہوتی ہے دو علاقوں اور محلوں کے درمیان اور یہ خلیج صرف سنگ و خشت اور برق و آب کی رسانی سے منسلک نہیں بلکہ انسانوں کے ذہنوں

Marfat.com

اور دلوں کے درمیان حائل ہوتی ہے اور کبھی جذبات کی لہر کناروں سے اچھل ہی پڑتی ہے تو کراچی کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے ، ایک بار ایسا ہو جائے تو کونے کھدروں میں برسوں سے سوئے ہوئے نسلی ، لسانی ، علاقائی ، مذہبی اور سیاسی اختلافات حشرات الارض کی طرح انسانی آبادیوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں ، اور پھر کہاں کی ہمسائیگی ، اور کہاں کی مسلمانی ، سب کچھ اس آگ کی نذر ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں بڑے شہروں میں تعلیم ، داخلے ، مہنگائی ، ہر چیز کا بھاؤ تاؤ ، مصنوعی طرز زندگی ، دولت کی ریل پیل ، مارکیٹوں کی چمک دمک ، ایسی باتیں براہ راست اخلاق انسانی پر اثرانداز ہوتی ہیں ، ان چیزوں کو معمولی سمجھ کر نظرانداز کرنے والے پھر اپنی آنکھوں سے رنگ و نور میں نہائے ہوئے شہروں کو آسیب زدہ شہر کی شکل میں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

حدوں اور کناروں سے باہر نکلتے اور اچھلتے ہوئے شہروں سے ایک اور قباحت بھی منسلک ہے کہ بظاہر ان کا دامن دیہی علاقوں سے منتقل ہونے والے لوگوں کے لئے پناہ گاہ بنتا ہے اور روزگار کے دروازے کھلتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ شہروں میں وسائل کا ارتکاز پیدا ہو جاتا ہے ہر سہولت اور رعایت بڑے شہر کو ملتی ہے بڑے کاروبار شہروں میں پھلتے پھولتے ہیں ، خوشحالی کا ہر راستہ شہر کی طرف جاتا ہے اس کے ردعمل میں دیہات اور اہل دیہہ میں احساس محرومی پیدا ہوتا اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے جو بہرحال کبھی نہ کبھی طوفان ثابت ہوتا ہے ، شہری اور دیہی طرز معاشرت اور اطوار و اقدار پہلے ہی مختلف ہوتی ہیں وسائل اور سہولتوں کے ارتکاز کا شکوہ جلتی پر تیل کا کام دیتا ہے ، چونکہ بنیادی ضرورت کے تمام اسباب اور دیگر خام مال دیہات مہیا کرتے ہیں مگر اس کے ثمرات اور اثرات سے اہالیان شہر مستفید ہوتے ہیں ، لکڑی دیہات کی ، اور بہترین فرنیچر شہریوں کے پاس ، کپاس دیہات کی ، اعلیٰ ملبوسات شہریوں کے تن پر ، گندم اور چاول دیہات کے عمدہ پکوان شہریوں کو نصیب ، اینٹ گارا ، پتھر دیہات کا چمکدار سڑکیں شہر کی ، محنت مزدوری دیہات والوں کی اور پرآسائش بنگلے شہریوں کے ، الغرض ایک

Marfat.com

طرح کی چڑ اور رقابت شہر اور دیہہ کے درمیان پیدا ہوجاتی ہے ، اگر وسائل کو یکجا کھپانے کے بجائے مناسب انداز میں چھوٹی آبادی کے شہر بنا کر استعمال کئے جائیں تو دفاعی اور سماجی دونوں اعتبار سے مفید ثابت ہوں اور یوں معاشرتی مفاسد کی بڑھتی ہوئی رفتار کو کسی حد تک روکا جا سکتا ہے ، یہ باتیں آج نہیں تو کل ضرور اپنی اہمیت دنیا پر واضح کریں گی۔

فیوڈل نفسیات :۔ معاشرتی بگاڑ کا موضوع جہاں اور جب بھی زیر بحث آئے گا اور اس کے اسباب و عوامل پر غور کیا جائے گا تو لازماً اور حتماً فیوڈل نفسیات خرابیوں کا ایک اہم سبب قرار پائے گی ، ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر دیہی معاشرہ ہے اور صدیوں بعد بھی مکمل طور پر شہری معاشرہ اور صنعتی سوسائٹی کا درجہ نہیں پا سکا ، اور دیہی معاشرے کا اعصابی اور اہم ترین کردار فیوڈل طبقہ ہے ، اور اس طبقے کی اخلاقیات اور نفسیات ہماری سوسائٹی کی رگ رگ میں پیوست ہیں اور جابجا اپنا اثر ظاہر کرتی ہیں۔

انتہائی مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جاگیردار کلاس اپنی عادات و اطوار کو جن عناصر سے ترکیب دیتی ہے وہ ہیں دولت ، دہشت ، انانیت اور حاکمیت ، کسی علاقے کا جاگیردار کبھی بھی نہیں چاہے گا کہ اس سے اس کی دہشت زائل ہو جائے ، وہ ہر بات کو اپنے لئے ناک کا مسئلہ سمجھتا ہے کیوں کہ وہ انا کا اسیر ہوتا ہے اور وہ اپنے چھوٹے یا بڑے حلقہ اثر میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا جس سے کہ اس کی حاکمیت متاثر ہوتی ہو خواہ وہ سڑک کا بننا ، سکول کا کھلنا ، ہسپتال کا قائم ہونا اور گھریلو طرز کی صنعت کا لگنا ہی کیوں نہ ہو۔

دیہی علاقوں میں تو فیوڈل نفسیات کا اظہار ایک واضح مشاہدہ ہے اور اپنے نقطہ عروج پر ہے لیکن شہری آبادیاں بھی اس کے اثر سے مبرا نہیں ہیں ، شہر کے مرفہ الحال لوگ جب وڈیرے کو اپنی دولت اور طاقت ٹھوس طریقے سے استعمال کرتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان کی رال ٹپکنے لگ جاتی ہے کہ ہم بھی ایسے ہی کیوں نہ بن کر دکھائیں ، ہمارے پاس

Marfat.com

بھی تو پیسہ ہے ، گاڑی ہے ، بنگلہ ہے ، نوکر چاکر ہیں ، خود کو دوسروں سے برتر ، اور طاقتور ثابت کرنے کے لئے اوٹ پٹانگ حرکتیں شروع کر دیتے ہیں جو آگے چل کر اخلاقی اور قانونی حدوں کو پھلانگنے کا مکروہ سلسلہ بن جاتا ہے ، مثلاً نوکروں کے ساتھ اردو یا انگریزی میں بات کرنا ، گرمیوں میں تھری پیس سوٹ پہننا ، انگریزی طرز کا ناشتہ اور کھانا ، شراب اور عورت سے شغل فرمانا ، بڑی گاڑی کے زعم میں کسی سائیکل سوار یا ریڑھی بان کو ٹکر مار کر ادھ موا کر دینا ، ٹریفک رولز کو پامال کرنا ، اپنے کمسن اور الھڑ لڑکوں کو گاڑیاں دے کر ان کی تفریح طبع کا سامان اور اپنی امارت کا اظہار کرنا ، گاڑی ٹکرا جائے ، چھن جائے یا چوری ہو جائے تو دوسرے روزفوراً نئی گاڑی منگوانا ، اولاد کے عشقیہ اشغال کی حوصلہ افزائی کرنا ، غرضیکہ اس طرح کی بے شمار حرکات دراصل لاشعوری طور پر فیوڈل نفسیات کی پیروی کا شاخسانہ ہوتی ہیں جس کا واحد مقصد اپنی دولت ، دہشت ، انانیت اور حاکمیت کا اظہار ہے ، اور اس پوری نفسیات کے پیچھے صرف ایک فقرہ کارفرما ہوتا ہے جو بار بار ایسے لوگوں کے ذہنوں میں گھنٹی کی طرح بجتا اور انہیں چونکائے رکھتا ہے اور یہ لوگ تمام عمر اس فقرے کی گونج سے خود کو آزاد نہیں کر سکتے وہ فقرہ ہوتا ہے ”لوگ کیا کہیں گے؟“ شادی پر لاکھوں روپے کی آتشبازی نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ماں باپ کے مرنے پر رسم قل میں زردہ ، پلاؤ ، کباب ، فرنی تیار نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ہر ہفتے گاڑی کا ماڈل نہ بدلا تو لوگ کیا کہیں گے؟ سال میں دو چار مرتبہ گھر پر مجرے کی محفل نہ ہوئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ اولاد کی جائز اور ناجائز فرمائشیں پوری نہ کیں تو لوگ کیا کہیں گے؟ بس یہی ایک فقرہ حاصل ہے فیوڈل نفسیات کا! کہ ہر مسئلہ ناک کا مسئلہ! بس یہیں سے قانون شکنی کا عمل شروع ہو جاتا ہے ، یعنی برداشت کرنے کو کمزوری سمجھ لیا جاتا ہے نہ کہ اخلاقی تقاضہ ، معاف کرنے کو بزدلی کہا جاتا ہے نہ کہ جوہر انسانیت ، قواعد و ضوابط کی پابندی کو گاؤدی پن قرار دیا جاتا ہے نہ کہ ذمہ دارانہ طرز عمل ، سادگی اور قناعت کو غربت فرض کر لیا جاتا ہے نہ کہ ہوشمندی اور میانہ روی! تواضع کو طعنہ سمجھ لیا جاتا ہے نہ کہ اعلیٰ

Marfat.com

جب سوچ اس طرح کا رخ اختیار کر لے ، تو پھر حرص ، ہوس ، جبر ، استحصال ، کینہ توزی ، انتقام ، نفرت ، سازش ایسی بیماریاں آدمی کو لگ جاتی ہین چونکہ یہ سب کچھ خود کردہ ہوتا ہے اس لئے اس کا علاج کسی جالینوس کے پاس نہیں ہوتا۔

جب ایک خاص قسم کا طبقہ خواہ وہ دیہات کا ہو یا شہر کا ، اس طرح کے طرز عمل کو اپنا جزو سیرت بنا لیتا ہے اور بہرگام اور بہرنوع اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہے تو باقی کے لاکھوں کروڑں انسان منفی یا مثبت اس کا اثر ضرور لیتے ہیں ، یا تو ویسا بن کر دکھانا چاہتے ہیں یا ایسے کو تیسا کرنا چاہتے ہیں دونوں صورتوں میں تشدد ، بگاڑ اور بدامنی لازمی ہے ، ویسا بن کر دکھانے کے لئے چوری ڈاکہ سے لے کر اغوا اور قتل تک اور ایسے کو تیسا کرنے کے لئے بے رحمی اور جذبہ انتقام تک ذہن چلا جاتا ہے ، بڑے بنگلوں میں قلعی کرنے والا مزدور اور کھیتوں میں کام کرنے والا مزارع جب اپنی اپنی جگہ سوچتے ہیں تو ہزاروں میل کے فاصلے اور کام کاج کے اختلاف کے باوجود ان کا ذہن ایک نتیجے پر پہنچتا ہے ، اوروہ نتیجہ ہوتاہے خوفناک انتقام ، خونین واردات ، اور بے رحم اقدام ، چونکہ جاگیردار ہر ایک چیز کو اپنی جاگیر سمجھ لیتا ہے خواہ وہ غریب کی حویلی ہو یا دہقان کی بیٹی ، اور سرمایہ دار ہر چیز کو قابل خرید سمجھ لیتا ہے خواہ وہ قانون ہو ، علم ہو ، عصمت ہو ، جذبات ہوں ، احساسات ہوں ، عزت نفس ہو ، جبکہ سوچ کے یہ دونوں رخ غلط ہیں ، اور غلیظ ہیں جب رد عمل ہو گا تو ظاہر ہے وہ شدید تر اور سنگین تر ہو گا ، جاگیردار مزارع کی بیٹی پر ہاتھ ڈالے اور وہ جھٹک دے تو ناک کا مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ انکار کیوں؟اس سے میری بے عزتی ہوئی ہے ، سرمایہ دار ہمسائے کی بیٹی پر نگاہ لطف فرمائے اور وہ آگے سے ناک چڑھائے تو ناک کا مسئلہ کھڑا ہو گیا ، کہ یہ کیوں؟یہ میری اور میرے سرمائے کی توہین ہے ، بس اس طرز عمل کا نام فیوڈل نفسیات ہے ، شہر اور دیہات کی ایک پوری نسل اس نفسیات کے رد عمل میں تیار ہو چکی ہے ، طبل جنگ بج چکا ، اور مقابلہ شروع ہے ، اور یہ بات زبان زد عام ہو گئی ہے کہ وہ تمہاری نفسیات کا مسئلہ تھا یہ ہماری ضروریات کا مسئلہ ہے وہ

Marfat.com

تمہاری انا کی مجبوری تھی اور یہ ہماری بقا کی مجبوری ہے ، وہ تمہارا بڑائی کا تقاضہ تھا یہ ہماری بے نوائی کا تقاضہ ہے ، تناؤ اور کشیدگی کا یہ عالم ہے تو ایسے میں معاشرتی نظام کا درہم برہم ہونا سامنے کی بات ہے۔

ع وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے

ہم اپنی وضع کیوں بدلیں ، کی کیفیت جہاں پیدا ہو جائے تو وہاں ٹھنا ٹھنی ناگزیر ہے ، ٹھناٹھنی ہو گی تو افراتفری کو کون روک سکے گا؟اور یہی وہ افراتفری ہے جس نے ہمارے معاشرے کی اخلاقی ، انتظامی ، سیاسی ، معاشی اور نفسیاتی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

برتر نصب العین کا فقدان :۔معاشرے کے رستے ناسور بننے میں ایک اور سبب بھی شامل ہے جو انتہائی توجہ طلب ہے اور وہ ہے برتر نصب العین کا فقدان ، یہ جملہ بظاہر فلسفیانہ اور تصوراتی معلوم ہوتا ہے لیکن ذرا گہرائی میں جائیں تو بہت عملی اور واقعاتی محسوس ہو گا وہ یوں کہ معاشرتی بگاڑ کے جملہ لوازم سوچ کے بودے پن اور عمل کے شہدے پن کی پیداوار ہوتے ہیں ، پیغمبر جو پوری نوع انسانی میں ہر پہلو اور ہر اعتبار سے بہت اونچے مقام پر فائز نظر آتے ہیں تو اس کی ایک وجہ ان کی سوچ کا آفاقی اور میدان عمل کا کائناتی ہونا ہے ، ان کی آنکھیں ایک خاص ماحول میں کھلتی ہیں لیکن نظر افق سے بہت دور تک جاتی ہے ، ان کی سوچ کا لف و نشر اردگرد سے مرتب ہوتا ہے مگر سرا خدا تک جا پہنچتا ہے ، ان کے قدم زمین پر ہوتے ہیں لیکن دھمک سدرۃ المنتہی پر سنائی دیتی ہے ، ان کے ہاتھ روزمرہ کا کام کرنے میں لگے ہوتے ہیں لیکن انگلیاں نبض ہستی پر ہوتی ہیں ، ان کا دل سینے کے چند انچ خول میں دھڑکتا ہے لیکن اس کی دھڑکن پورے عالم انسانی کو اپنے محیط میں لئے ہوتی ہے ، وہ اسی مٹی سے اٹھتے ہیں لیکن یہ مٹی انہیں چپکی ہوئی نہیں ہوتی ، وہ اسی خاکدان گیتی میں رہتے ہیں لیکن خبر ماورائے گیتی کی رکھتے اور لاتے ہیں ، وہ رہتے کسی علاقے میں ہیں لیکن علائق دینوی سے بہت حد تک بے نیاز!وہ بظاہر مصر ، فلسطین اور عرب کے لگتے ہیں لیکن نمائندگی پورے عالم امکان کی کرتے ہیں ، یہ سب فیض ہوتا ہے برتر

Marfat.com

نصب العین کا ، نصب العین جتنا برتر ہو گا ، سوچ اور عمل کا دائرہ اتنا ہی بہتر ہو گا ، اب اس دائرے میں نسلی تعصبات داخل ہو سکتے ہیں اور نہ لسانی منا قشات ، اس محیط میں نفس پرستی کے حباب اٹھتے ہیں اور نہ انا پرستی کے ، ایسے ماحول میں نہ ہوس کے جراثیم پلتے ہیں اور نہ جبر کے کیڑوں کو غذا ملتی ہے ، برتر نصب العین انسان کو "ابوالوقت" بنا دیتا ہے اور اس سے محروم انسان "ابن الوقت" بن جاتا ہے اور یہی وہ ابن الوقت ہیں جو ہنگامی تسکین کے لئے دلوں اور سینوں کو بغض اور کدورتوں سے بھر دیتے ہیں ، ابوالوقت "میر کارواں" ہوتا ہے جو بہت دور سے بھی اپنی منزل دیکھ رہا ہوتا ہے اور ابن الوقت "گرد کارواں" ہوتا ہے نہ وہ کسی کو پہچان سکتا ہے اور نہ کوئی اسے پہچان پاتا ہے ، اور فرق صاف ظاہر ہے۔

پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ عالمی جنگیں ہوں یا نسلی فسادات ، زبان کے جھگڑے ہوں یا قومیت کے بکھیڑے ، سبھی معمولی مفادات ، اور بہت چھوٹے مقصد اور نصب العین کا شاخسانہ ہیں ، کوئی علاقے میں اپنی برتری کو اپنا مقصود حیات سمجھ لے تو جنگ چھڑ جاتی ہے ، کوئی اپنی نسل کو محبوب سمجھ لے تو نسلی منافرت آگ کی طرح بھڑک اٹھتی ہے ، کسی کو یہ خبط لاحق ہو کہ وہ صرف اپنی قومیت کے تحفظ کا علمبردار ہے تو ایک ہی صوبہ یا ضلع میدان جنگ بن جاتا ہے ، اسی طرح وزارت ، ممبری ، کونسلری ، چودھراہٹ ، ایسے حقیر نصب العین کبھی بھی سوسائٹی کو امن کا گہوارہ نہیں بننے دیتے ، جس طرح جوہڑ کا پانی مچھروں کی افزائش کے لئے نرسری کا کام دیتا ہے اسی طرح حقیر اہداف مسلسل کشمکش اور دنگا فساد کی حالت برقرار رکھنے بلکہ اس بڑھانے میں کھاد کا کام دیتے ہیں۔

اس وقت ہمارا معاشرہ بہت بہت چھوٹے مفادات اور ایشوز کو اپنے لئے نصب العین بنا چکا ہے اور سوچ کے دائرے بڑی تیزی سے سمٹ اور سکڑ رہے ہیں پہلے جس دائرے میں پوری ایک قوم سمائی ہوئی تھی اب اس میں چند لوگ نہیں سما پا رہے ، نہائت تنگ اور مختصر خانوں میں انسانوں کی تقسیم کا عمل شروع ہے اور کسی کو ہوش نہیں کہ یہ خانے

Marfat.com

اور تنگ ہو گئے اور یہ دائرے مزید سکڑ گئے تو کل کو کہیں یہ محدود حلقے پھانسی کا پھندا نہ بن جائیں اور ایسا کرنے والے کی اپنی ہی گردن اس میں پھنس کر نہ رہ جائے۔

مثال کے طور پر کوئی فرد یا قوم دولت ، قومیت ، صوبائیت ، حکومت وغیرہ کو اپنا نصب العین قرار دے دے تو اس کا بدیہی نتیجہ ہوس ، تعصب ، نفرت اور جبر کی صورت میں برآمد ہو گا کیونکہ دولت کا حصول ایسا ہدف ہے کہ بیش ازبیش ہوس زر لازمی ہے ، قومیت کا مطلب باقی تمام اقوام عالم سے متعصبانہ رویہ اختیار کرنا ہے ، صوبائیت دوسرے صوبوں سے نفرت کا نام ہے ، اور حکومت کے لئے دھونس ، سازش اور جبر ناگزیر ہتھکنڈے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں کوئی اونچا نصب العین مثلاً وحدت امت یا اتحاد انسانیت ، رضائے الٰہی ، فلاح اخروی ، وغیرہ ایسے اہداف ہیں جو انسان کے ظرف کو وسیع ، نگاہ کو کشادہ ، دل کو نرم ، سینے کو معمورۂ محبت ، سوچ کو پاکیزہ اور جدوجہد کو مثبت رخ عطا کرتے ہیں ، ایک شخص اگر وحدت امت کا نظریہ اپنا لیتا ہے تو مذہبی ، مسلکی ، گروہی ، فروعی ، فقہی اور مشربی تعصبات سے دامن جھاڑ کر اپناتا ہے ، اگر اتحاد انسانیت پیش نظر ہے تو ہر نوع کی لسانی ، قومیتی ، علاقائی ، نسلی اور رنگ کی نفرتوں سے اس کی نگاہ پاک ہو جاتی ہے پھر کہاں کا کینہ اور کہاں کا انتقام ، سب انسان لائق محبت قرار پاتے ہیں ، اگر رضائے الٰہی ہدف بن جائے تو انسان لالچ ، ضمیر فروشی ، منافقت ، اور دورنگی جیسی بیماریوں سے بچا رہتا ہے کیوں کہ اسے کسی حاکم ، وڈیرے ، چودھری ، سرمایہ دار ، جتھے ، گروہ ، برادری اور فرقے کی خوشنودی نہیں خدا کی رضا مطلوب ہے ، اب اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ کسی کے در پر جھولی پھیلائے ، اپنا ضمیر گروی رکھے ظاہر و باطن میں فاصلہ پیدا کرے ، اور ملمع سازی کا رویہ اپنائے ، وہ جس کی رضا کا طالب ہے وہ دلوں کے بھید اور نیتوں کے حال اور سینے کی دھڑکنوں تک سے واقف ہے ، اس کی بارگاہ میں کھرے اور کھوٹے ، سفید اور سیاہ ، ایمان اور نفاق ، نیکی اور بدی ، ظاہر اور باطن ، اخفاء اور اعلان کے درمیان کوئی التباس

Marfat.com

نہیں ہر شے واضح اور صاف ہے ، ظاہر ہے ایسا انسان اپنے ارادے اور عمل ، اور قول اور فعل کے بارے میں نہایت یکسو اور واضح ہو گا ، اور اس کے نمایاں اثرات سوسائٹی پر بھی مرتب ہوں گے۔

اگر فلاح اخروی کسی فرد یا قوم کا نصب العین بن جائے ، تو ایسے فرد یا قوم کی نظر میں دنیا اور اس کے تمام اسباب ، زر و مال ، سرمایہ و جاگیر ، منصب و جاہ ، سبھی کچھ حقیر اور بے معنی ہو جائیں گے ، اس کے ہاں عزت و ذلت ، فلاح و خسران ، بلندی و پستی کے تمام پیمانے بدل جائیں گے ، وہ اپنے ہر اقدام اور عمل میں آخرت کی سعادت ، آخرت کی فلاح اور آخرت کی عزت کو مدنظر رکھے گا ، اس کی زندگی میں سازش ، حرص ، تکبر ، اورلغویت کا گزر تک نہیں ہو گا اس لئے کہ اس کی نظر میں یہ ساری چیزیں پیش پا افتادہ ، وقتی ، ناپائیدار اور خالی از منفعت ہیں ، وہ زندگی جیسی امانت میں خیانت کا تصور بھی نہیں کرے گا ، جملہ نوع انسانی کو اس سے کسی شر کا اندیشہ اور حملے کا خوف نہیں رہے گا ، اور یوں دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

برتر نصب العین کو کوئی خواب قرار دے تو ہمارے خیال میں اہل دنیا ویسے بھی خوابوں میں رہتے ہیں ، تو کیوں نہ پاکیزہ سہانا اور بہتر خواب دیکھا جائے ، ہماری دلیل یہ ہے کہ دنیا جن خوابوں ار سرابوں میں بھٹک رہی ہے ان کا آج تک کیا حاصل سامنے آیا ہے؟کون سے خواب کی تعبیر ملی ہے؟اور کس سراب سے پانی کا گھونٹ میسر آیا ہے؟

یہ سبھی خواب ہی تو ہیں جو آج کے دور میں ہر انسان دیکھ رہا ہے ، کہ میں روئے زمین کا حاکم بن جاؤں ، میں سب سے بڑا دولتمند بن جاؤں ، مجھے لوگ خدا مان لیں ، سبھی میرے سامنے عاجز ہوں ، مجھے کوئی دکھ نہ ہو ، مجھے کوئی خوف نہ ہو ، مجھ سے کچھ چھن نہ جائے ، میں عمر جاوداں پا لوں ، وغیرہ لیکن بدقسمتی سے یہ خواب دنیا بھر کے لئے عذاب بن گئے ، روئے زمین کا حاکم بنتے بنتے انسان نفس زبوں کا محکوم بن کر رہ گیا ہے ، دولتمند بنتے بنتے فقر کی دولت گنوا بیٹھا ہے ، خدا بننے کے شوق میں اپنی خودی تک سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے ، دوسروں کو عاجز بناتے بناتے اپنی بڑھتی ہوئی اغراض کے ہاتھوں عاجز آ گیا ہے ، دکھ سے

Marfat.com

بچنے کے خواب دیکھنے والا پوری دنیا کو دکھی کر گیا ہے ، خوف سے محفوظ رہنے کے شوق نے نوع انسانی کو خوفزدہ کر دیا ہے ، کچھ چھن نہ جائے کے خیال میں سکون قلب چھن گیا ہے ، عمر جاوداں پانے کی آرزو میں دنیا موت کی وادی بن گئی ہے اور ہر ایک دوسرے کے لئے ملک الموت ، کچھ ایسے ہی خواب نمرود ، فرعون ، قارون ، دارا ، سکندر ، ہلاکو ، چنگیز نے دیکھے تھے ، انہوں نے تو خواب دیکھے لیکن دنیا کا خانہ خراب کر گئے ، برتر نصب العین خواب ہی سہی ، لیکن بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں عمر گزار دینا ہی حاصل عمر قرار پاتا ہے۔

مذہب کا منفی استعمال :۔مذہب جو انسانی تاریخ کا قدیم اور متبرک ورثہ اور تہذیب انسانی کا سب سے موثر اور بڑا ذریعہ رہا ہے ، جس کے ساتھ ہی مطلع کائنات کے بے شمار درخشندہ آفتاب ذہن میں آ جاتے ہیں مقدس پیغمبر ، صحابہ کرام کی جمعیت ، صوفیاء ، صلحائے امت ، اور حق پرست علماء یہ سب مذہب کا کتنا تابناک اور شاندار حوالہ ہیں انہی لائق ہزار احترام شخصیات نے انسان کو صحیح معنوں میں "حضرت انسان" بنایا ، پہاڑ کی کھوہوں ، غاروں ، ریگستان کے ٹیلوں ، اور جزیروں سے انسان کو نکال کر معلم اخلاق کے منصب پر فائز کیا ، جہانبانی کے آداب سے آشنا کیا ، تسخیر کائنات کے رموز سے آگاہ کیا ، آدم خوری سے ہٹا کر مردم سازی پر لگایا ،اور آدمی کو محض گوشت پوست کے خول سے آزاد کر کے فکر و یقین کی فضائے بسیط کا راستہ دکھایا۔

مگر رفتہ رفتہ عیار اور کج فہم لوگوں نے مذہب کے خداپرستی ، انسان دوستی ، تعمیر کردار ، اور آئین انقلاب کے کردار کو مسخ کر کے محض فتویٰ کی ٹکسال بنا کر رکھ دیا ، جس میں کفر ، الحاد ، ارتداد ، زندقہ ، وجوب قتل ، نکاح شکنی کے سکے ڈھلنے لگے حالانکہ تاریخ کی باوثوق شہادت کے مطابق اسی مذہب کی آغوش میں تقویٰ ، طہارت ، انسانیت ، اخلاص ، ایثار ، مہر و وفا ، استقامت ، شوق شہادت ، جذبہ اطاعت ، حب رسول ؐ ، رواداری اور حسن عمل کے اوصاف پرورش پاتے تھے ، آج دنیا میں جہاں بھی اعلیٰ اقدار ، پاکیزہ جذبات ، مقدس اصول ، شاندار

Marfat.com

روایات ، اور برتر مقاصد اور اہداف نظر آتے ہیں کسی قیصر و کسریٰ کی دین نہیں فقط اور فقط مذہب اور اس کی تعلیم کا فیض ہے ، وہ مذہب ہی تھا جس نے حکومت میں خودسری کے بجائے خدا کی بندگی ، سیاست میں مکر و حیلہ اور جوروستم کے بجائے احساس ذمہ داری ، معیشت میں سلب و نہب کے بجائے احسان و ایثار ، معاشرت میں طبقانیت کے بجائے مساوات اور روحانیت میں گریز و فرار کے بجائے مثبت کردار کے اصول رائج کئے۔

چونکہ اس وقت موضوع سخن معاشرتی بگاڑ ہے اس لئے مذہب کی مسخ شدہ تعبیر اور محرف رویہ بھی معاشرتی بگاڑ کا ایک افسوس ناک عامل ہے ، ظاہر ہے جب ترتیب الٹ جائے گی تو پورا نقشہ اپنے آپ بگڑ جائے گا۔

وہ لوگ جو مزاج کے اعتبار سے لڑاکا ، طبیعت کے اعتبار سے جھگڑالو ، ذہن کے اعتبار سے متشدد اور سوچ کے اعتبار سے مروم آزار تھے جب وہ مذہب کے میدان میں داخل ہوئے تو وہ خود تو کیا سدھرتے الٹا مذہب کی روح بگاڑ کر رکھ دی ، عام لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھنی تھی ، عیدگاہوں میں جانا تھا ، خطبہ جمعہ سننا تھا ، سیرت کے جلسے میں شریک ہونا تھا ، لیکن ان کے ساتھ پیشہ ور ارباب مذہب اور کم نظر واعظین نے یہ سلوک کیا کہ انہیں سب کچھ سنایا اور سکھایا ، مگر نہ سنا سکے تو نغمہ محبت نہ سنا سکے اور نہ سکھا سکے تو اخلاق حسنہ نہ سکھا سکے ، معاشرہ بدعنوانی کی لپیٹ میں تھا اور واعظین کا موضوع آمین بالجہر اور رفع یدین رہا ، معاشرہ ، قتل و غارت کی پوٹ بن گیا اور خطیب منبر نور و بشر میں الجھا رہا ، معاشرہ منافقت کے طوفان میں پھنس گیا اور وارث محراب خلافت و امامت کے موضوع پر بولتا رہا ، معاشرہ حرص و ہوس کے ریلے میں بہہ گیا اور فقیہ شہر قربانی کے مینڈھے کے دانت گنتا رہا ، معاشرہ نفرت کی آگ میں جھلس گیا اور شیخ حرم گٹے جوڑنے کی مشق کراتا رہا ، معاشرہ جبر کی دیوار تلے دب گیا اور مفتی اعظم داڑھی کا طول و عرض ناپتا رہا ، معاشرہ رشوت اور سفارش کے سرطان میں مبتلا ہو گیا اور قاضی وقت نکاح ٹوٹنے کے فتوے دیتا رہا ، جب معاشرے میں

Marfat.com

مذہب کا کردار اور ارباب مذہب کا طرز عمل ایسا ہو ، تو معاشرہ ڈھلان سے لڑھکنے والا پتھر نہیں بنے گا تو اور کیا ہو گا؟جو نیچے ذلت کی کھڈ میں گر کر بالآخر پاش پاش ہو جاتا ہے۔

دنیا میں بلاشبہ متعدد عوامل اور عناصر بہت طاقتور ہیں لیکن اس گئے گزرے دور میں بھی سب سے زیادہ طاقتور "مذہب" ہے لیکن جب ذمہ دار لوگ ایٹم بم سے مچھر ماری کا شغل شروع فرما دیں یعنی مذہب جیسی قوت کو بڑے ہی فروعی مسائل میں صرف کرنا شروع کر دیں تو نتائج کے لئے کسی بقراطی پیشینگوئی کی ضرورت نہیں رہتی ، عقل عام خود ہی واضح نتیجے پر پہنچ جاتی ہے ، اسے المیہ کہیے یا طربیہ لکھیئے ، بہرکیف یہ ستم اور یہ مذاق اس زوال آمادہ معاشرے کے ساتھ برابر روا رکھا جا رہا ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات اس قدر سادہ ، دلنشین ، انقلاب آفریں ، حیات بخش اور یقین پرور ہیں کہ روح عصر اس پر قسم کھانے کو تیار ہے مگر کوئی سلیقے اور قرینے سے انہیں پیش تو کرے؟

چاروں ارکان اسلام ہی لے لیجے پورا دستور العمل اور منشور زندگی ہیں ، نماز انسان میں عاجزی ، نظم و ضبط ، اور یکسوئی پیدا کرتی ہے ، روزہ ایثار اور قناعت کا درس دیتا ہے ، زکواۃ حب مال کی جڑ کاٹتی ہے ، اور حج اللہ کے ساتھ والہانہ محبت اور سب کچھ اللہ کے لئے چھوڑ دینے کی رمز بجھاتا ہے ، یہ سب کچھ برحق اور بسر و چشم!مگر ان میں سے کوئی بھی صفت ہے جو ہمارے اخلاق کا حصہ ہو؟ ہرگز نہیں ، آخر کیوں؟اس کا مرصع اور مختصر جواب تو حکیم الامت علامہ اقبال" برسوں پہلے دے چکے۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

یہ جو ہم باقی نہیں رہے تو اس کی بھی توکوئی وجہ ہو گی یا ہونی چاہیئے اور وہ ہے اور بالکل آنکھوں کے سامنے!جب محراب و منبر ترش ابرو ، خطیب شر زہرخند اور قہر پاش ، تقریر زہر آلود تیر ، لہجہ گنڈاسہ ، گفتار تیغ آبدار ، زبان حذنگ و سنان ، اور موضوع فروع بن جائے تو

Marfat.com

ایسے تماشے ہر زوال یافتہ قوم دیکھا کرتی ہے۔

جو وقت دنیا کو معجزہ دکھانے کا تھا وائے نصیب وہ اپنا تماشا دکھانے میں خرچ ہو رہا ہے۔

قصہ کوتاہ یہ چند اہم عوامل ہیں جو محض چہرے اور طرز حکومت بدلنے سے دفعتاً اصلاح پذیر نہیں ہوں گے بلکہ ایک اسلامی عوامی انقلاب ان عوامل و اسباب کا خاتمہ کر کے معاشرے کو نئے ڈھنگ اور آہنگ سے ہمکنار کر سکتا ہے، پھر معاشرہ ناسور نہیں رہے گا، رنگ و نور میں ڈھل جائے گا۔

❁❁❁

Marfat.com

Marfat.com

"سربرہنہ امت"

اگر کوئی شریف زادی حالات کے ہاتھوں لقوں اور لچوں کے شہر میں پہنچ جائے اور بیچ بازار وہ اس حال میں کھڑی ہو کہ برہنہ پا اور برہنہ سر ہو اور جو بے بسی اور بے کسی کا عالم اس کا ہوتا ہے آج وہی کیفیت بین الاقوامی برادری کے پرہجوم مگر آبرو باختہ شہر میں امت مسلمہ کی ہے، گوکہ امت میں بھی کچھ آثار جنوں ہیں مگر لوگوں نے اسے کچھ زیادہ ہی دیوانہ بنا دیا ہے

Marfat.com

Marfat.com

روئے زمین پر آباد انسانوں میں ہر پانچواں فرد مسلمان ہے ، دنیا کے نقشے پر ایک اہم جغرافیائی بیلٹ مسلمانوں کی ہے ، مراکو کے صحرا سے لے کر جاوا سماٹرا تک اہل اسلام کی قطار لگی ہوئی ہے ، فار ایسٹ سے ویسٹ انڈیز تک کئی مسلم ریاستیں ہیں ، شرق الہند ہو یا غرب الہند ہر جگہ مسلمانوں کے قدموں کی دھمک ہے ، تہذیب مسلم کے گرانڈیل کھنڈر صاف بتا رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔

لیکن کروڑوں انسانوں کا یہ ہجوم ایک ایسے میدان میں کھڑا ہے جس کے اوپر کوئی چتر و سایہ نہیں ، زمانے کی کڑی دھوپ انہیں پگھلائے دے رہی ہے ، امت کی بے کسی کا یہ نظارہ کتنا عجیب اور عبرت انگیز ہے کہ جو کل تک عالم انسانی کے لئے سائبان بنی ہوئی تھی آج خود سائے کو ترس رہی ہے ، کل تک جس کا دامن پناہ گاہ علم تھا آج خود دریدہ پیرہن ہے ، کل تک یہ امت کار سازو کا مگار تھی آج رہین روزگار ہے ، کل تک جبریل امیں جس کا صید زبوں تھا آج اس کا اپنا حال دگرگوں ہے ، کل تک جو یزداں بکمند آور کی دھوم مچائے ہوئے تھی آج غیروں کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے ، کل تک یہ بندگان خاکی ہمسایۂ جبریل تھے آج دنیا کی نظروں میں ذلیل ہیں ، کل کی کجکلاہ امت آج گدائے راہ بن چکی ہے ، کل جو قیامت کی نظر رکھتی تھی آج اسے پل کی خبر نہیں ، کل تک جس کی بے نیازی کے چرچے بادشاہوں میں تھے آج اس کا شمار گداؤں میں ہے ، کل تک جس کے تاقوس بجتے تھے ، آج اس کی ناموس خطرے میں ہے ، کل تک یہ جہاں نوردتھی ، آج کوچہ گرد ہے ، کل تک یہ وارث لوح و قلم تھی آج یہ تختہ مشق ستم ہے ، کل تک یہ امن عالم کی ضمانت تھی آج یہ ہدف تنقید وملامت ہے ، اس امت کا عروج وہ کہ قیصر و کسریٰ سلام کرتے تھے اور زوال یہ کہ ہم غیر اللہ کا کلمہ پڑھتے ہیں ، بلندی کا وہ عالم کہ

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی

اور پستی کی حد یہ کہ

Marfat.com

ہم میر کارواں تھے اب گرد کارواں ہیں

حوادث زمانہ نے بہت سی تہذیبوں اور قوموں کو زخم دیئے ہیں ، مگر امت مسلمہ کو کچھ زیادہ ہی چوٹ لگی ہے ، کیوں کہ یہ بہت بلندی سے گری ہے ، جو جتنا اونچائی سے گرے گا اسے اتنی ہی گہری چوٹ آئے گی ، اس امت کو لڑکھرانے میں کافی عرصہ لگا ہے ظاہر ہے اسے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور جمنے میں بھی کچھ وقت لگے گا ، لیکن شرط یہ ہے کہ کم کوشی تو آگئی ہے بے ذوقی پیدا نہ ہونے پائے ، ذوق سفر زندہ رہے تو راہی کو ایک نہ ایک دن منزل مل ہی جاتی ہے البتہ یہ واقعہ بلکہ سانحہ ہے کہ زمانے کے جھٹکوں نے منزل کے تعین اور اس کے حصول کے تیقن کو ذہنوں سے کافی حد تک دھندلا بلکہ محو کر دیا ہے ، علامہ اقبالؒ نے یہی دکھڑا اپنے رب کے حضور بھی پیش کیا تھا اور انہیں اسی طرح کا شکایت آمیز جواب ملا۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا خوارند و زارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

(میں ایک رات بارگاہ خداوندی میں زار و قطار روتا رہا اور پوچھتا رہا مسلمان ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ جواب ملا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر اپنے محبوب کا تعین نہیں کر سکی)

بلاشبہ امت کے پاس عقیدہ ، ذہن ، مہارت ، افرادی قوت ، دولت ، جمعیت اور توازن طاقت موجود ہے لیکن ان سب کا مصرف ابھی اسے معلوم نہیں ، یا تو وہ سب کچھ یورپ اور امریکہ کے ہاتھ میں گروی رکھے ہوئے ہے یا کبھی ابال آتا ہے تو ایٹم بم سے مچھر مارنے کا کام لیتی ہے ، طاقت اور صلاحیت کے استعمال کے لئے صحیح میدان کا انتخاب اس کے لئے مسئلہ بنا ہوا ہے۔

حالیؒ نے کسی زمانے میں گہری مایوسی میں ڈوب کر کہا تھا

اے خاصئہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

Marfat.com

بلاشبہ وہ دور بھی بڑا کٹھن تھا جب یہ شعر حالی ؒ کے قلم سے نکلا تھا ، مگر آج کا عہد اس سے بھی زیادہ پر آشوب اور تشویشناک ہے ، حالی ؒ کے دور میں شاید امت پر اتنا دباؤ نہیں تھا جس قدر وہ آج جکڑی ہوئی ہے ، یونی پولر ورلڈ میں جب سے سارے معاملات کا بلا شرکت غیرے امریکہ چوکیدار بنا ہے ، عالمی پیچیدگیاں اور بڑھ گئی ہیں ، آج کی سیاسی ، معاشرتی اور معاشی صورت حال پر جب کوئی دردمند مسلمان نظر ڈالتا ہے اور اسے چاروں طرف مہیب اور خوفناک سائے رقصاں نظر آتے ہیں ، تو اسے اپنا دل ڈولتا محسوس ہوتا ہے ، اگر کوئی شریف زادی حالات کے ہاتھوں لقوں اور لچوں کے شہر میں پہنچ جائے اور بیچ بازار وہ اس حال میں کھڑی ہو کہ برہنہ پا اور برہنہ سر ہو اور جو بے بسی اور بے کسی کا عالم اس کا ہوتا ہے آج وہی کیفیت بین الاقوامی برادری کے پرہجوم مگر آبرو باختہ شہر میں امت مسلمہ کی ہے ، گو کہ امت میں بھی کچھ آثار جنوں ہیں مگر لوگوں نے اسے کچھ زیادہ ہی دیوانہ بنا دیا ہے ، آج پھر حالی کی طرح حضور ؐ سے درخواست کرنے کی ضرورت ہے کہ یا آقا!وقت دعا ہے ، علامہ اقبال ؒ نے ''اسرار و رموز'' میں ایک جگہ بڑے دردِ دل سے حاتم طائی کی بیٹی کے واقعہ کو بڑے مؤثر استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے ، فرماتے ہیں۔

ایک جنگ میں قبیلہ طے کے سردار حاتم طائی کی بیٹی حضور ﷺ کی خدمت میں پابجولاں لائی گئی ، سر سے چادر اتری ہوئی اور دختر حاتم کی گردن شرم و حیا سے جھکی ہوئی تھی ، حضور ؐ نے اس موقع پر اپنی چادر سے دختر حاتم کا سر ڈھانپا ، علامہ اس موقع پر کہتے ہیں۔

ما ازاں خاتون طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں بے چادریم

(ہم بنی طے کی اس خاتون سے بھی زیادی عریاں ہیں اور اقوام عالم کے سامنے ہم بے چادر ہو کر رہ گئے ہیں)

روز محشر اعتبار ماست او
درجہاں ہم پردہ دار ماست او

(قیامت کے دن حضور ؐ ہی ہمارا اعتبار اور وسیلہ ہیں اور دنیا

Marfat.com

میں بھی وہی ہمارا بھرم رکھنے والے ہیں)

علامہؒ نے احوال امت کی صحیح نقشہ کشی کی ہے ، فی الواقع ہم اس وقت اپنا اعتبار گنوا اور بھرم کھو چکے ہیں ، ہمارے سر سے سطوت و عظمت کی چادر اتر چکی ہے ، وہ ہمارے آقا و مولاؐ ہی ہیں جو ہمیں اپنی چادر رحمت میں ڈھانپ لیں ، ورنہ دنیا بچے کھچے چیتھڑے بھی نوچ لینے کے درپے ہے ، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ امت اپنے لئے نئے نئے ہیرو تراشنے کے بجائے سیدھے سبھاؤ اپنے آپ کو حضورؐ کے در پر ڈال دے وہی نصب العین ، وہی رویہ ، وہی تہذیب اور وہی مقصد زیست اپنا لے ، عصبیت کے تنگ نالے سے نکل کر امت کے وسیع سمندر میں شناوری کرے ، سطحی علاقائی مفادات کے مقابلے میں امت کے مقاصد کی نگہبانی کرے اور خدا کے دیئے ہوئے نظام سے جنگ آزمائی کے بجائے اس نظام کی فرمانروائی کے لئے اپنے نفس اور دنیا سے جہاد کرے۔

Marfat.com

کیا اس لئے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے؟

☼

انگریز کے عہد سیاست میں کھگے ، ٹوانے ، دولتانے ، کھوڑو ، بھٹو ، بھرگری ، مری ، بگٹی ، بچے ، میر ، خان ، سردار اور چودھری نمایاں تھے اب بھی وہی چہرے ہیں پہلے سے زیادہ بھیانک ، یہ پہلے بھی ضمیر فروش تھے اور اب بھی ضمیر کے بیوپاری ، نہ ان کا رنگ بدلا ہے اور نہ ڈھنگ۔

Marfat.com

Marfat.com

کارواں کے دل سے اگر احساس زیاں بالکل مٹ نہیں گیا تو قافلہ کیوں لٹا؟ کا سوال ہر شریک سفر کے ذہن میں زہرناک کیڑے کی طرح کلبلاتا رہتا ہے کہ جب میر کارواں اچھا تھا ، رخت سفر تیار تھا ، سنگ میل درست تھا ، منزل واضح تھی اور راہی باذوق تھے تو کیسے اور کیونکر متاع کارواں لٹ گئی؟

یہ سوالیہ الفاظ ہر اس شخص کی نظر سے جھانک رہے ہیں جو اپنے ملک کے سود و زیاں سے پوری دلچسپی رکھتا ہے اور حوادث روزگار اسے پوری طرح متاع درد سے محروم نہیں کر پائے ، جب اس کی نگاہ پاکستان کے منظر پر پڑتی ہے تو اسے ماضی تابناک ، حال ہولناک اور مستقبل تشویش ناک نظر آتا ہے اور اس تضاد نے خود دیکھنے والے کی شخصیت کو متضاد بنا رکھا ہے ، اور پاکستان کا ہر ذمہ دار ، دردمند ، اور باصلاحیت شہری قوت فیصلہ سے محرومی کا مریض ہوتا جا رہا ہے۔

جب ایک پاکستانی ، آزادی وطن ، اور قیام پاکستان کی تحریک کو ماضی کے آئینے میں دیکھتا ہے تو وہ اسے روشن اور خوش کن نظر آتی ہے ، اس کے بزرگ ہی تھے جنہوں نے انگریز کی دی ہوئی عزت کے مقابلہ میں کالے پانی کی اذیت کو منتخب کیا تھا ، جیلیں کاٹی تھیں ، چکی پیسی تھی ، تختہ دار کو چوما تھا ، جلاوطنی قبول کی تھی اور یوں آزادی کی راہ ہموار کر گئے ، قیام پاکستان کی تحریک چلی تو وہ ہمارے ہی بزرگ تھے جنہوں نے اپنا بنگالی ، بلوچ ، سندھی ، پٹھان اور پنجابی تشخص ختم کر کے محض اسلامی امتیاز و افتخار قائم کیا تھا ، سنی شیعہ اور مقلد اور غیر مقلد کی تقسیم کو فراموش کر کے اسلام کی تعلیم کا سبق ازبر کیا تھا ، علاقائی اور صوبائی دانے چن کر ملی وحدت کی تسبیح میں پرو دیئے تھے ، زبان اور نسل کی لہروں اور موجوں کو اسلام کے سمندر میں شامل کر دیا تھا ، تحریک پاکستان میں کوئی صوبہ گریزاں نہ تھا ، کوئی زبان بیگانہ نہ تھی ، کوئی نسل برگشتہ نہ تھی کوئی سنی مخالف نہ تھا کوئی شیعہ تنہا نہ تھا اور کوئی فرد کسی سے جدا نہ تھا ، ایک نظریہ ، ایک مطالبہ ، ایک نعرہ اور ایک نقشہ سب

Marfat.com

کو مطلوب تھا اور سب کے لئے نقطہ اتحاد بن گیا بزرگوں کے اس اتحاد فکر و عمل نے دنیا کے نقشے پر ایک بہت بڑا ملک قائم کر کے دکھا دیا، سیاسی پنڈت مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے، تجزیہ نگار منہ جھکا کر بیٹھ گئے، استعماری گماشتے غش کھا کر گر گئے اور جغادری ایک دوسرے کا منہ تکنے لگ گئے، ماضی کے یہ چند اشارے ظاہر ہے کتنے یقین افروز، اور جاذب نظر ہیں مگر اب کے جو "منظر پاکستان" سب کے سامنے ہے یعنی جو ہمارا حال ہے سو وہ "برا حال" ہے یہ تاثر کسی قنوطیت کا پیدا کردہ نہیں بلکہ حقیقت کا عطا کردہ ہے جس سے چشم پوشی صرف وہ کر سکتے ہیں جن کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاھی میں ہے جن کے خواب چکنا چور ہو گئے، جن کی امیدیں بکھر گئیں اور جن کے عقیدے متزلزل ہو گئے وہ بھلا کیسے اس منظر کو خوش کن کہہ سکتے ہیں؟

کسی فلسفیانہ تمہید کے بغیر عرض ہے کہ کیا "پاکستان" کا لفظ ہر مسلمان کو اس خوشگوار احساس سے معمور نہیں کر رہا تھا؟ کہ جونہی یہ لفظ اپنے معنی سے ہم آغوش ہو گا تو اس دھرتی پر انگریز کا نہیں خدا کا قانون ہو گا۔

سیاست جاگیرداروں کے چنگل سے آزاد ہو جائے گی۔

معیشت کا قارونی انداز بدل جائے گا۔

معاشرت ہندوانہ اثر سے پاک ہو جائے گی۔

منبر و محراب عہد نبوت کی یاد تازہ کر دیں گے اور سرزمین پاکستان کا ہر باشندہ خدا کی بندگی کے علاوہ ہمہ قسمی بندگیوں سے آزاد ہو جائے گا، لیکن پاکستان بننے کے تھوڑی مدت بعد دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں نے دیکھا اور سنا کہ "منظر پاکستان" کے سارے رنگ نہ صرف بدل گئے ہیں بلکہ پھیکے پڑ گئے ہیں، بزرگوں کے دکھائے ہوئے خواب آنکھ کھلنے پر ادھورے رہ گئے، اب ہر منظر خوفناک بنتا جا رہا ہے۔

انگریز کے عہد سیاست میں کھگے، توانے، دولتانے، کھوڑو، بھٹو، کھرگری، مری، بگٹی، بچے، میر، خان، سردار اور چودھری نمایاں تھے اب بھی وہی چہرے ہیں پہلے سے زیادہ بھیانک، یہ پہلے بھی ضمیر فروش تھے اور اب بھی ضمیر کے بیوپاری، نہ ان کا رنگ بدلا ہے

Marfat.com

اور نہ ڈھنگ۔

معیشت کا قارونی انداز نہ صرف یہ کہ تبدیل نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ مکروہ ہو گیا ہے لونڈے لمڈے اور وحشی اور جانگلی استحصال، جبر، مکر، سمگلنگ کے باعث کروڑوں میں کھیلتے ہیں اور ذہین، ہنر مند، باصلاحیت اور شریف لوگ فٹ پاتھوں کو ناپتے اور پگڈنڈیوں کی خاک پھانکتے نظر آتے ہیں، بے ڈول اور بدوضع چہرے بجیرو گاڑیوں میں گھومتے اور عالیشان کوٹھیوں میں اونگھتے دکھائی دیتے اور پھول سے نین نقش برتن مانجھتے، قلعی کرتے کوڑے کے ڈھیر سے کاغذ چنتے اور چھابڑی لگاتے نظر آتے ہیں، ان پڑھ وڈیروں کے "لاڈلے" جہازوں میں اڑتے اور تعلیم یافتہ جوتے چٹخاتے نظر آتے ہیں۔

معاشرت اسلامی کیا ہوئی الٹا دم کٹی بن گئی، ذات پات نے زندگی کے ہر شعبے کو زہریلے سانپ کی طرح ڈس لیا ہے لسانی تقسیم نے روشنیوں کے شہروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا ہے جہاں کبھی کسی کی کھال ادھیڑی جاتی ہے کبھی ہڈیاں چبائی جاتی ہیں کبھی آنکھیں نکالی جاتی ہیں کبھی پیٹ چاک کیا جاتا ہے، کبھی ناک کاٹی جاتی ہے کبھی زبان کھینچی جاتی ہے اور کبھی سنگینیں دل کے آر پار کی جاتی ہیں کچھ ذاتیں خود بخود بڑی بن گئی ہیں اور باقی عوام ڈھور ڈنگر ہیں جن کی جوان بیٹیاں قابل خرید بھی ہیں اور قابل فروخت بھی، خدا نہ کرے وہ وقت آئے کہ ایام جاہلیت کی طرح غریب لوگ اپنی بیٹیاں زندہ درگور کرنا شروع کر دیں کہ غنڈوں کی بانہوں میں جانے کے بجائے منی کی آغوش میں چلی جائیں تو ہزار درجے بہتر ہے۔

منبر و محراب کا نقشہ بھی چنداں خوش کن نہیں، کہاں منبر کی وہ عظمت کہ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبے دیئے اور کہاں یہ عالم کہ مسلمانوں کو فرقہ واریت کے تیروں سے چھلنی کرنے کے لئے کمین گاہ کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔

محراب کی وہ شان کہ جہاں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سجدوں کی خوشبو رچی ہوتی تھی اور کہاں یہ کیفیت کہ پیشانی تو خدا کے آگے جھکی ہوتی ہے اور دل کسی صنم کی چوکھٹ پر نظر آتا ہے۔

Marfat.com

یہ خواب بس خواب ہی رہ گیا کہ پاکستان کا ہر باشندہ صرف خدا کا بندہ ہو گا سب کچھ خدا سے ہونے کا یقین اور کسی غیر سے کچھ نہ ہونے کا یقین ہی پاکستانیوں کا سرمایہ ہو گا مگر اب حکمران ہوں یا رعایا سب کی نگاہیں اٹھتی ہیں تو جا کر واشنگٹن پر اٹک جاتی ہیں ، اگر ہماری آنکھ کا سرمہ خاک مدینہ و نجف ہوتا تو شاید نگاہوں کا قبلہ راست رہتا۔

المختصر ماضی میں یہ کسی نے نہیں سوچا ہو گا کہ بننے والے پاکستان میں معیار صرف پیسہ ہو گا ، مدار صرف طاقت پر ہو گا ، عزت صرف ایکٹروں کو ملے گی ، سہولت صرف اوباشوں کو حاصل ہو گی ، عہدہ صرف جاگیردار کو ملے گا ، قرضہ صرف سرمایہ دار کو ملے گا ، جس کا رقبہ زیادہ ہو گا رتبہ بھی اسی کا زیادہ ہو گا جس کا بنگلہ بڑا ہو گا عہدہ بھی اسی کا بڑا ہو گا جو جتنا زیادہ کمین ہو گا وہی ہمیشہ کرسی نشین ہو گا اگر ایسا کسی نے سوچا ہوتا تو کوئی اپنی سفید داڑھی انگریز کی گھی میں نہ دیتا ، کوئی خود کو جزائر انڈیمان کا قیدی نہ بنواتا ، کوئی اپنی جوانی نہ لٹاتا ، کوئی ماں بہن اور بیٹی اپنی ناموس داؤ پر نہ لگاتی ، کوئی غریب کارکن اپنے لیڈر کی پالکی کاندھوں پر نہ اٹھاتا ، کوئی بھوکے پیٹ گھر سے نکل کر سارا دن اپنا گلا نہ پھاڑتا کہ 'بن کے رہے گا پاکستان'

ماضی میں یہ کسے معلوم تھا کہ ان کی ہڈیوں پر سجے ہوئے تخت پر انگریز کے چاپلوس اور پشتینی وفادار لوگوں کی اولاد بیٹھے گی ، دولت صرف ناجائز طریقے سے مل سکے گی ، عزت صرف اپنی غیرت نیلام کر کے حاصل ہو سکے گی ، وزارت اپنی دیانت بیچ کر نصیب ہو سکے گی ، ہمارے نامور مجاہدوں ، گمنام شہیدوں ، پیکر وفا کارکنوں ، مجسمئہ حیا خواتین ، صاحبان صدق و صفا علماء ، اور قابل فخر انقلابی کارکنوں کی روحیں بار بار یہ احتجاج کرتی ہیں کہ یہ گھر ہم نے اس لئے بنایا تھا اپنے گھر اجاڑ کر اور یہ تاریخ اس لئے مرتب کی تھی اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ جوڑ کر کہ انگریزوں کے نمک خوار اٹھیں اور ملت کے ضمیر کو اپنے پنجے میں جکڑ لیں۔

؎ بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

Marfat.com

ہمارا دوہرا معیار

ہم سیاسی پولرائزیشن اور مذہبی فرقہ بندی کی مذمت شدید الفاظ میں کرتے ہیں مگر رونق ہمیشہ اس جلسے کی بڑھاتے ہیں جہاں سب سے بڑا سیاسی پھکڑ باز اور فرقہ پرست مولوی تقریر کرنے والا ہو جو قبائے سیاست کی دھجیاں ادھیڑ اور آئینہ مذہب کی کرچیاں بکھیر کر رکھ دے۔

Marfat.com

”خورشید گیلانی جب لکھتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ الفاظ کی بندش جملوں میں معانی کے سچے موتی سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال نکال کر صفحہ قرطاس پر سجا رہی ہے حسن لفظ کے ساتھ ساتھ جمال معنی خورشید گیلانی کا اسلوب نگارش ہے ، جب بولتے ہیں تو گرجدار آواز اور زلاقت لسانی مستقبل کے کسی سحبان کا پتہ دیتی ہے قلم و لسان کے اس دو آتشے کا نام خورشید احمد گیلانی ہے“

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی (لاہور)

”آپ کے مقالات پڑھ کر دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ“

ڈاکٹر کلیم صدیقی
ڈائریکٹر مسلم انسٹی ٹیوٹ (لندن)

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو لفظ برتنے اور قلم استعمال کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا ہے“

صاحبزادہ حامد سعید کاظمی
سابق ایم۔این۔اے (ملتان)

”ان کا اسلوب اتنا جاندار اور رواں ہے کہ کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا ، ان کے الفاظ کی شان و شوکت اور جملوں کا درو بست قاری کو مسحور کئے رکھتا ہے ، ہم نے بعض احباب کو نثر میں شاعری کرتے دیکھا ہے لیکن جب ہم ان کی تحریریں پڑھتے ہیں تو کئی پیرے کے پیرے چھلانگ لگا لیتے ہیں ، گیلانی صاحب کی خوبی یہ ہے کہ ان کی شوکت الفاظ بھگاتی نہیں مسحور کرتی ہے“

ڈاکٹر محمد امین
انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (اسلام آباد)

”آپ کے قلم سے ٹپکنے والی روشنائی کا ہر قطرہ بالیقین آپ کے خون جگر سے کشید کیا ہوا ہے کہ لوح دل پر لفظ لفظ ثبت ہوتا چلا جاتا ہے“

پروفیسر محمد اشفاق چغتائی (میانوالی)

Marfat.com